اگر ان کی مشقِ سخن جاری رہی تو یہ خامیاں دور ہو جائیں گی، اور پنجاب اقبال کے طرز شاعری سے خالی نہ ہوگا،

ادب کے مادی نظریے - از جناب ظہیر کاشمیری، تقطیع اوسط، ضخامت ۱۲۵ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد عہ، پتہ کمال پبلشرز ۲۶ مال روڈ، لاہور،

سوشلزم نے زندگی کی دوسری اقدار کی طرح ادب اور لٹریچر کو بھی خالص مادی قدروں میں محدود کر دیا ہے، اس کے نقطۂ نظر سے صحیح ادب وہی ہے جو انسانی صرف مادی زندگی اور اس کے حیوانی پہلو کا ترجمان ہو، اس کے علاوہ اسکے علمی، ادبی اور اخلاقی پہلو وغیرہ صرف ایوان تعیش کے نقش و نگار ہیں، اس کتاب میں اسی نقطۂ نظر سے ادب کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے، پہلے انسانی معاشرہ سے اسکا تعلق دکھایا گیا ہے، پھر اردو نظم و نثر کی پیدائش سے لے کر اسوقت تک اس میں مختلف تمدنی معاشرتی سیاسی اور اقتصادی عوامل کے ماتحت جو تغیرات ہوئے، ان پر اجمالی نگاہ ڈالی گئی ہے، اس سلسلہ میں جستہ جستہ ہندوستان کی سیاسی تاریخ کے متفرق واقعات، اس کے اثرات و نتائج اور زندگی کے مختلف زاویوں کے متعلق سوشلزم کے نقطہائے نظر بھی آگئے ہیں، ایک باب میں ادب کے اس نظریہ کے بارہ میں لینن کے خیالات پیش کیے گئے ہیں، آخر میں مغربی ادب پر بین الاقوامی سیاسی و اقتصادی تغیرات کے اثرات دکھائے گئے ہیں، ادب کے متعلق سوشلزم کے نظریہ کے اس جز سے کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا کہ ادب کو زندگی کا ترجمان ہونا چاہیے، یہ تو بالکل فطری چیز ہے، لیکن خود زندگی مختلف حیثیتیں اور مختلف پہلو رکھتی ہے، اور ان سب کی اہمیت یکساں ہے، انھیں یک قلم نظر انداز کر کے اشرف المخلوقات کی زندگی کے مقصد اور نصب العین کو محض حیوانی خواہشات اور اسکے مظاہر تک محدود کر دینا انسانیت کی توہین ہے، گو ادب کے متعلق مصنف کے بعض خیالات صحیح ہیں لیکن ان میں کوئی نئی بات نہیں ہے، اور مذہب وغیرہ کے متعلق وہی پرانی عامیانہ باتیں دہرائی گئی ہیں، بعض تاریخی غلطیاں بھی ہیں،

"م"

جلد ۶۱ ماہ ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۴۸ء عدد ۳

مضامین

مقالات

استفسار و جواب

وفیات

ادبیات

شذرات

یہ ناقابلِ انکار حقیقت ہو کہ اردو ہندو مسلمانون کی مشترک زبان ہے، دونون نے مل کر اس کو بنایا اور انہی کی کوششون نے اس کو پروان چڑھایا، اور احسان شناس اردو دونون کی تمدنی نشانیون کو سینے سے لگائے ہوئے ہے، لیکن یہ کس قدر افسوس اور عبرت کا مقام ہو کہ آج اسی صوبہ کی حکومت جہاں اردو پل کر جوان ہوئی اور اس کا رنگ روپ نکھرا، اس کے ساتھ اجنبیون اور پردیسیون سے بھی بدتر سلوک کر رہی ہے، اور وہ ہندو مسلم اتحاد کی اس سب سے بڑی یادگار کو مٹانے کے درپے ہے،

صبح تک تونے نہ چھوڑی وہ بھی اے بادِ صبا یادگار شمع تھی کل تک جو پروانہ کی خاک

اس بارہ مین ہم اپنے خیالات اس سے پہلے ظاہر کر چکے ہین، آج اس سلسلہ مین پاکستان سے بھی کچھ کہنا ہے،

ہندوستان مین اردو کی بے بسی کے بعد قدرۃً پاکستان کی جانب اس کی نگاہین اٹھتی ہین کہ اسی سے اس کی دستگیری کی امید ہو سکتی ہے، پاکستان جس دعوی کے ساتھ اور جس نظریہ کے ماتحت قائم ہوا ہے اس کے لحاظ سے اردو کا تحفظ محض اس کا فرض ہی نہین ہے، بلکہ اس کے بغیر اس کے مقاصد کی تکمیل نہین ہو سکتی، اور اردو کی خدمت و سرپرستی پاکستان کا احسان نہین ہوگا، بلکہ خود اس کا مفاد اس سے وابستہ اور پاکستان کے مسلمانون کی وحدت بڑی حد تک اردو پر منحصر ہے،

پاکستان کے تمام صوبون کی زبانین مقامی اور ایک دوسرے سے مختلف ہین، اردو ہی ایسی زبان ہو جو سب صوبون

مین سمجھی اور مغربی پاکستان کے بعض علاقون اور خاص خاص طبقون مین بولی بھی جاتی ہو، اس لئے یہی وہان کی مشترک زبان ہو سکتی ہو، پاکستان کی تمام زبانون مین سب سے زیادہ اسلامی اثرات مذہب اسلام سے متعلق معلومات اور اسلامی علوم و فنون کا سب سے بڑا ذخیرہ اردو ہی مین ہو، اس لئے اُن سے واقفیت اور اسلامی کلچر کے تحفظ اور اشاعت کا ذریعہ بھی اردو ہی ہو، اور ہندوستان اور پاکستان کا جو مسلمان اردو سے جس قدر ناواقف ہوگا، اسی قدر وہ عام مسلمانون اور اسلامی کلچر سے بیگانہ رہے گا جس کی مثال بنگال کے مسلمان ہین،

علمی اور تعلیمی پہلو سے بھی پاکستان کی کوئی زبان اردو کا مقابلہ نہین کر سکتی اس حیثیت سے وہ ان سب مین زیادہ سرمایہ دار ہو، دار الترجمہ حیدرآباد کے بدولت اس کا دامن جدید علوم و فنون سے بھی خالی نہین رہا، جامعہ عثمانیہ مین ہر فن کی اعلیٰ تعلیم اسی کے ذریعہ ہوتی ہو جس کے کامیاب نتائج سب کے سامنے ہین، اس لئے اردو ہر اعتبار سے ایک ترقی یافتہ زبان ہے اور مذہبی علمی سیاسی اور تمدنی ہر حیثیت سے پاکستان کے لئے ضروری ہو، یہ اس کی خوش قسمتی ہو کہ اس کو ایک بنی بنائی ہوئی مکمل زبان مل گئی جو اس کی جملہ ضروریات کی کفیل ہو سکتی ہے، اور وہ زبان سازی کی زحمت سے بچ گیا، اس سے فائدہ نہ اٹھانا بڑی غلطی اور ناشکری ہوگی،

پاکستان کے قریب قریب کل صوبے اردو کی حمایت مین ہین، لیکن بنگال سے اس کی مخالفت کی آواز بلند ہوتی رہتی ہو، گو وہان کے بہت سے خواص اور ذمہ دار اشخاص اردو کے حامی ہین، لیکن عام بنگالی مسلمان ابھی تک اس کے نام سے بھڑکتے ہین، حالانکہ دوسرے صوبون کے مسلمانون سے اُن کی اجنبیت و بیگانگی اور اسلامی تہذیب و معاشرت سے اون کی دوری کا بڑا سبب اردو سے ان کی ناواقفیت ہو، اس لئے وہ سب سے زیادہ انہی کیلئے ضروری ہے،

اس کا یہ منشا نہین ہو کہ صوبائی اور مقامی زبانون کی حق تلفی کیجائے، یا ان کو نقصان پہنچایا جائے، بلکہ صرف یہ مقصد ہو کہ پاکستان کی صوبائی زبانون کی مقامی اہمیت کو پوری طرح قائم رکھتے ہوئے، سرکاری زبان اردو

کو بنایا جائے ، اس کی تعلیم لازمی قرار دی جائے ، اور رفتہ رفتہ اس کو اعلیٰ تعلیم کا بھی ذریعہ بنایا جائے ۔

اردو کی ترقی واشاعت کے وسائل پر غور کرنے کے لئے ۲۶، ۲۷، ۲۸ مارچ کو پنجاب یونیورسٹی کی جانب سے لاہور مین اردو کانفرنس ہو رہی ہے ، اس مین پاکستان و ہندوستان دونون کے اصحاب علم وادب کو شرکت کی دعوت دی گئی ہے ، اس مین مذکورہ بالا مسائل بھی زیر بحث آئین گے ، سرکاری زبان بنانا تو حکومت کا کام ہے ، لیکن ہم کو توقع ہے کہ کانفرنس مین اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کا مسئلہ اور اس کی ترقی و اشاعت کے اہم وسائل طے کر لئے جائین گے ، اور اسے سرکاری زبان بنانے کے لئے حکومت پر بھی زور ڈالا جائے گا ، اور امید ہے کہ وہ اردو کی خدمت و توسیع مین علمی ادبی اور تعلیمی ادارون کی پوری مدد کرے گی ،

اس مین شبہہ نہین کہ جو لوگ عرصہ سے انگریزی مین کام کرنے کے عادی چلے آرہے ہین ، ان کے لئے دفعۃً اس کو چھوڑ کر اردو کو اختیار کر لینا آسان نہین ہے ، اور ابتدا مین ضرور ان کو دقت محسوس ہوگی لیکن اس بارہ مین اتنی عجلت کی ضرورت نہین کہ انھیں اردو کے سیکھنے ، اس سے مانوس ہونے اور اس مین کام کی مشق پیدا کرنے کا موقع بھی نہ دیا جائے ، لیکن انگریزی حکومت کے خاتمہ کے بعد اس کی زبان کو بھی دیر سویر بہرحال ختم ہونا ہے اس لئے اس کا فیصلہ ہو جانا تو ضروری ہے کہ حکومت کی زبان اردو ہوگی اور رفتہ رفتہ اس کو تمام شعبون مین رائج کر دیا جائے گا ۔

پنجاب ہمیشہ سے اردو کی خدمت مین پیش پیش رہا ہے ، اور شمال ہند مین اردو کا مرکز عرصہ سے لاہور ہو گیا تھا ، اور اب تو پنجاب پر اردو کا دوہرا حق ہے ، اس لئے یقین ہے کہ اردو کی اس سب سے بڑی خدمت کا سہرا بھی اسی کے سر رہے گا ،

مقالات

تجدید تعلیم

از

جناب مولانا عبد الباری صاحب ندوی

" مولانا عبد الباری صاحب ندوی (سابق پروفیسر جامعہ عثمانیہ) جو حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے متعدد خلفاء مین سے ایک ہین ، حضرت والا رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مجددانہ کارنامون پر ایک مستقل و مفصل کتاب لکھ رہے ہین ، اس کے دو سلسلے سیاسی اور تبلیغی معارف اور الفرقان میں شائع ہو چکے ہین ، اب اس کا تیسرا حصہ تعلیمی آج معارف کے ذریعہ شائع کیا جا رہا ہے ،

یہ حقیقت ہے کہ یورپ کے تعلیمی نظریات کی ہمہ گیری نے اسلامی تعلیمی نظریہ کو نہ صرف عام مدارس بلکہ ہمارے دینی مدارس والون کے دلون سے بھی بھلا دیا ہے ، انتہا یہ ہے کہ وہ مدرسے بھی جو صرف دین کی خدمت کے لئے قائم تھے ، اور جن سے سالہا سال تک دین کی خدمت انجام پاتی رہی ، وہ بھی دانستہ یا نادانستہ اس سے دور سے دور تر ہوتے چلے جا رہے ہین ، اور وہ خوش ہین کہ وہ زمانہ کی ضرورت پوری کرتے جا رہے ہین ،

صاحب مقالہ نے مضمون کے اندر کئی جگہ نظر شفقت دار العلوم ندوہ کا ذکر کیا ہے اور اس کی

تنقید کی ہے ہم کو اپنے عیوب کے تسلیم کرنے میں کبھی ہچک محسوس نہیں کرنی چاہئے بے شبہہ دارالعلوم ندوہ کے طلبہ میں اس قسم کی کمزوریاں ہیں، منتظمین مدرسہ ہمیشہ اس کی کوشش کرتے رہتے ہیں کہ وہ ان کمزوریوں پر فتح پائیں، لیکن ضرورت اس کی ہے کہ جہاں ہم اپنے مدرسوں سے اُن کو دور کرنا چاہتے ہیں، اُن کو اپنے گھروں سے بھی دور کریں، اور اپنے تعلیمی زاویۂ نظر کو بدلنے کی بھی کوشش کریں، تاکہ مسلمان والدین اپنی اولاد کی صحیح تعلیم و تربیت کو سمجھ سکیں،

آج ملک میں انگریزی سلطنت کے خاتمہ سے انقلاب کا نیا دور شروع ہو رہا ہے، یہی وقت ہے کہ مسلمان اپنے تعلیمی نظریہ کو پورے طور سے سمجھیں، امید ہے کہ ہندوستان اور پاکستان دونوں جگہ کے مسلمان اس مضمون کو بغور پڑھیں گے، اور اس سے آیندہ کے لئے فائدہ اٹھائیں گے''

"س"

حضرت مجدّدِ وقت (مولانا تھانوی علیہ الرحمۃ) کی جامع تجدیدات پر بنام جامع المجددین جو مستقل کتاب راقم کے زیرِ تحریر بلکہ قریب تکمیل ہے، یہ اسی کا ایک اور باب ہے، اس سے پہلے ایک باب قومیات و سیاسیات حاضرہ کا اسی معارف[1] میں اور ایک تجدیدِ تبلیغ کا رسالہ الفرقان[2] (لکھنو) میں شائع ہو چکا ہے،

جن اہل علم و بصیرت حضرات کی نظر حدیث تجدید کے مغز و مدعا پر ہے، وہ جان سکتے ہیں، کہ وقت کی سب سے بڑی دینی و اسلامی خدمت تجدید یافتہ پیغام اسلام کی اشاعت ہے، یوں تو ختم نبوت کے بعد سے برابر تجدید دین و بعثت مجدّد دین کا سلسلہ صدی بصدی اسی طرح جاری ہے، جس طرح ختم نبوت سے قبل انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا جاری تھا، نیز ختم نبوت کے بعد ہی سے تعلیماتِ دین میں طرح طرح کے مفاسد کی راہ یابی ہر ماہ بعد کی صدی میں، قبل سے جس طرح بڑھتی گئی ہے وہ بھی معلوم و مسلم ہے، اور اب تو طول و عرض و عمق دین کے سارے ابعاد میں یہ مفاسد اس طرح سرایت کر گئے ہیں، کہ مشکل سے عقائد و اعمال کا کوئی گوشہ و ریشہ ان سے محفوظ

---

[1] دسمبر ۴۶ء و جنوری و فروری ۴۷ء کے تین نمبروں میں شائع ہوا، [2] ماہ شعبان و رمضان،

رہا ہو گا، اس لئے لازماً اب تجدید دین کے لئے ایسے ہی جامع مجدد دین کی بعثت کا وقت تھا، جس کی تجدیدات ساری گمراہیوں کی تسدیدات کو جامع ہوں،

حضرت مجددِ وقت کی اس جامعیت کا اندازہ حضرت کی کم و بیش ایک ہزار تصانیف کی وسعت اور اُن کے مطالعہ سے بخوبی فرمایا جا سکتا ہے، دین کے سارے ایمانی و عملی ابواب و احکام کا کوئی چھوٹا بڑا جزو ذرا بھی اصلاح طلب یا محتاج تجدید رہا ہو، ایسا نظر آئے گا، جو حضرت علیہ الرحمہ کی جامع نظر سے نظر انداز ہوا ہو، اہلِ حضرات کو متوجہ نہ پا کر اس نا اہل نے اپنی بری بھلی فہم و بساط کے موافق ہزار ہا ہزار صفحات کو چند مضمون میں سمیٹنے کی سعی میں بھی پیش نظر رکھا ہے، کہ حضرت کی جامعیت تجدید کے کم از کم نمایاں خد و خال اس رخ میں نظر آجائیں، جس کا بہت کچھ اندازہ خود حاضر وقت باب (تجدید تعلیم) اور اس کے قبل کے مذکورہ بالا شائع شدہ ابواب سے فرمایا جا سکتا ہے، قومیات و سیاسیات، تبلیغ و تعلیم وغیرہ کے یوں تو ہر شعبہ میں مسلمانوں کی مختلف جماعتیں اپنی اپنی راہ کے مطابق کام کر رہی ہیں، اور اسلام ہی کا نام لے کر کر رہی ہیں، لیکن چونکہ اکثر صورتوں میں اسلام کے اصلی اصول و تعلیمات اپنی بے غبار اور صاف ستھری تجدید یافتہ شکل میں سامنے نہیں، اس لئے قدرۃً فکر و عمل کے تیر زیادہ تر نشانہ کے باہر گرتے ہیں، صدی بصدی تجدید دین کی یہی بڑی حکمت و مصلحت تھی، کہ دنیا کا آخری دین ہر صدی کے نو پیدا مفاسد سے پاک ہو کر اپنے جمال و کمال کے ساتھ تر و تازہ صورت میں دنیا کے سامنے برابر موجود رہے، تاکہ کم از کم مخلص اہل طلب و اہلِ دین تو دین کی طلب و خدمت میں نادانی سے ترکستان کی راہ پر نہ چل پڑیں،

لیکن کیسی عجیب بات ہے کہ بعض حضرات پر (جس کا بڑا سبب حجاب معاصرت معلوم ہوتا ہے) حضرت مجددِ وقت کے لئے جامعیت اور بعثت کا لفظ استعمال کرنا گراں ہے، حالانکہ بعثت کا لفظ خود تجدید کی مشہور حدیث میں استعمال فرمایا گیا ہے، اور "جامعیت" ایک ایسا واقعہ ہے جو حضرت کے اصلاحی و تجدیدی کارناموں کی ہمہ گیری کو پڑھ کر جیسا ابھی عرض کیا گیا، ہر آنکھ والا خود اپنی آنکھ سے دیکھ لے سکتا ہے، البتہ اس کا کوئی

علاج نہیں کہ ع

دیکھتا سب کچھ ہوں لیکن سوجھتا کچھ بھی نہیں

حد یہ کہ صاحب الفرقان جیسے محترم و مخلص صاحبِ علم و عمل کے نزدیک تو حضرتؒ کی اصلاحات
ہدایات کو آپ کے منصب مجددیت کی بنا پر پیش کرنا اُن کی افادیت کے دائرہ کو بہت محدود کر دینا ہے
اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ حدیث تجدید کو اب منسوخ قرار دے دیا جائے، اور اگر کسی کا مجدد ہونا آفتاب
نصف النہار کی طرح نظر آ رہا ہو، تو بھی اُس کی مجددیت کا نام زبان پر نہ لانا چاہئے، ع

این سخن را چہ جواب است تو خود می دانی

رہا یہ کہ "کسی بزرگ کی اچھی سے اچھی تعلیمات اور سیدھی سے سیدھی اصلاحات کو بھی اگر اس کے اہل زمانہ کے
سامنے اس طرح پیش کیا جائے کہ ان بزرگ کے لئے کوئی خاص منصب تسلیم کرانا چاہیں، تو اس کا دائرہ
قبول بہت ہی محدود ہوگا" تو طلب حق کی راہ سے اس حجاب معاصرت کو ہٹانے کی سعی کرنی چاہئے
خصوصاً اہل حق کو نہ یہ کہ اُلٹے "چشمۂ آفتاب" ہی کا نام لینا گناہ قرار دیدیا جائے،

البتہ یہ بالکل سچ ہے کہ "مجددیت کوئی ایسا منصب نہیں، جسے منوایا ہی جائے"، اور بلاشبہ یہ بھی ضروری
نہیں کہ کسی دور کا مجدد دین کے ہر شعبہ میں جو کچھ کہے وہ سب واجب التسلیم ہی ہو، یہ شان تو صرف نبوت
کی ہے، اس وسوسہ کا محترم موصوف جیسے اہلِ علم کی طرف سے تو قطعاً راقم کو وسوسہ تک نہ تھا، ہاں عوام
یا معاندین یہ اعتراض کر سکتے، یا پیدا کر سکتے تھے، اسی لئے "قومیات و سیاسیات" والے مضمون کے سلسلہ میں
معارفؔ میں پہلی دفعہ ہی حضرت کی مجددیت کی طرف متوجہ کرتے وقت اس بے بنیاد وسوسہ یا اعتراض
کی نسبت عرض کر دیا گیا تھا، کہ

"نبی و مجددین میں ایک فرق یہ ہے کہ نبی وقت پر ایمان نفس نجات و مغفرت کے لئے لازم ہے

لے ماہ دسمبر ۳۳ء ص ۴۲۱،

بخلاف اس کے مجددِ وقت کی یافت و پیروی پر نجات موقوف نہیں وہ تو انشاء اللہ خاتم الانبیاء
علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نفس ایمان کے بعد بھی مرمٹ کر حاصل ہی ہو جائے گا، لیکن دین کے اصل
و پاک سرچشمہ تک پہنچنا، اس کی کامل و بے غبار تعلیمات کو سمجھنا اور ان پر عمل کی دینی و دنیوی
برکات کا پوری طرح حاصل ہونا اس کے لئے بلاشبہ مجدد وقت کا پانا، اور اس کا دامن
تھامنا لابد ہے، ورنہ پھر بعثت مجددین اور تجدید دین کے کوئی معنی نہیں، بیشک مجدد نبی
کی طرح معصوم نہیں ہوتا، بشری لغزشیں اس سے بھی ہوں گی، لیکن دیگر علماء و محققین کے
مقابلہ میں نسبتہً کم، اس لئے مجددِ وقت کی تجدید کا قبول و اتباع اسلم و احوط ہر حال میں ہوگا"
اس کے علاوہ اسی سلسلہ میں مجدد کی یافت و اتباع کے کچھ اور فوائد و مصالح بھی عرض کئے گئے
ہیں، اگر محترم موصوف ان کو ایک نظر مکرر ملاحظہ فرمالیں تو غالباً یہ نہ فرمائیں گے کہ مولینا موصوف (راقم احقر)
نے مجددیت کے مسئلہ و منصب کو بنیاد بنانے میں جو دینی مصلحتیں سمجھی ہوں ہم اُن کے ادراک سے قاصر
ہیں، کیونکہ مجددیت کا مسئلہ اگر غور فرمائیں تو اتنی بڑی دینی مصلحت پر مبنی ہے، کہ اس کے بغیر ختم نبوت
کے عقیدہ ہی کو سنبھالنا مشکل ہے، دینی مفاسد تو (معمولی عقائد و اعمال کا کیا ذکر) کفر و شرک تک
کے روز افزوں ہیں، پھر آخر نبوت کی ضرورت کیسے ختم ہو گئی، ! ایسی ہی باتوں کو سہارا پکڑ کر تو خود امت مسلمہ
میں بہت سے متنبی اٹھ کھڑے ہوئے، ان چیزوں کی مزید تفصیل انشاء اللہ اصل کتاب کے مقدمہ میں
ملے گی، سر دست اگر یہ اشارات بھی نامقبول ہیں، تو اس کے سوا کچھ عرض کرنا نہیں کہ ع

محبوب من است آنچہ بنزدیک تو زشت است

بہر حال حضرت علیہ الرحمہ کی تعلیمات و تجدیدات سے یوں تو الحمد للہ مختلف طبقات کے اہلِ سعادت
کی ایک کثیر تعداد فیضیاب ہے لیکن نسبتہً جدید طبقہ نام کے علاوہ حضرتؒ کے اصلی اصلاحی کام سے بہت
ہی کم آشنا ہے، حالانکہ ایک طرف وقت کے حالات نے مسلمانوں کی دنیوی قیادت و رہنمائی کی عنان

بالکلیہ اسی طبقہ کے ہاتھ مین پہنچا دی ہے، دوسری طرف انہی حالات نے خود دنیا ہی کی راہ سے اس طبقہ کے اندر دین کی ایک طلب بیدار کر دی ہے، اس لئے اگر ان کی رسائی دین کی صحیح فکر و عمل تک ہو جائے تو انشا اللہ ان ہی کے ہاتھون دنیا مین دین بچ سکتی ہے،

راقم ہذا نے بھی جامع المجددین نام کی کتاب مین اس خیال کو خاص کر پیش نظر رکھا ہے اور اس لئے جا بجا بعض باتون کی تفصیل مین خود اپنی طرف سے تطویل تک مین تامل نہین کیا گیا، تاہم اپنی نااہلی کا پورا ادراک ہے اور اصل مین اس خدمت کے بڑے اہل حضرت سید الطائفہ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی، حضرت گیلانی مولانا سید مناظر احسن، اور حضرت دریابادی (مولانا عبدالماجد) جیسے حضرات تھے، کہ ایک طرف مجدد وقت کے مقام و مرتبہ سے آگاہ ہین، اور دوسری طرف خود جدید طبقہ مین مقبول و مسلم مشاہیر اہل قلم کا درجہ رکھتے این، پھر ان حضرات پر حضرت علیہ الرحمہ کے ساتھ عقیدتمندانہ و خادمانہ تعلق و نسبت کی بنا پر اس خدمت کا حق بھی زیادہ عائد ہے۔

اور حضرت دریابادی صدق کی وساطت سے اس حق کو کچھ نہ کچھ ادا بھی فرماتے رہتے ہین، جس کی بدولت کم از کم صدق خواں طبقہ حضرت علیہ الرحمہ سے تھوڑا بہت روشناس ہو گیا ہے، گو سمندر کے چند قطرات ہی کی حد تک سہی، حضرت سید الطائفہ نے بھی جدید طبقہ ہی کو خصوصاً پیش نظر رکھ کر اشرف السوانح[۱] کو جدید قالب مین ڈھالنا شروع کر دیا تھا، مگر پھر بھوپال کے تعلق اور دیگر مصروفیات نے شاید حق تقدم حاصل کر لیا، کاش مکرر توجہ فرما سکتے، ا پیغام[۲] اسلام کے ایک بڑے سرگرم رکن سے یہ معلوم کر کے دل باغ باغ

---

[۱] یہ استاذ اشرفی کے امیر خسرو حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب رحمۃ اللہ کی مرتب فرمودہ عاشقانہ و والہانہ ساتھ ہی مستند و مکمل تین جلدون مین سوانح حیات ہے جو حضرت علیہ الرحمۃ کی حیات مبارکہ ہی مین شائع ہو گئی تھی، اور جس کا استناد اس سے بڑھ کر کیا ہو گا، کہ خود حضرت کی مہر توثیق کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔

[۲] یہ رسالہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی یادگار میں لاہور سے نکلنے والا تھا، مگر ۱۵ اگست کے بعد کے حالات کی بدولت دیکھئے کب نکلتا ہے،

ہو گیا کہ انھون نے اپنی سرگرمی سے ہمارے حضرت گیلانی سے بھی غالباً "حکیم الامت کا جادۂ اعتدال" کے نام سے ایک مضمون حاصل کر لیا ہے، اگر مولانا گیلانی کے قلم کی عنان ادھر پھر جائے، تو وہ احسنیت و سرعت دونون کی ایسی جامع ہے کہ ایک آدھ سال ہی مین دوسرون کی طرف سے بھی اس فرض کفایہ کو پورا فرما دے سکتی ہے؛

آخر مین ان معروضات کے ساتھ وہی درخواست ہے، جو پہلے اسی معارف اور پھر الفرقان مین پیش کی جا چکی ہے، کہ حضرت جامع المجددین علیہ الرحمۃ کے سمندر کی اور گہرائی کو مختلف ابواب کے اُن کوزون مین پیش کرنے سے اس نااہل و نادان سے جو کوتاہیان اور غلطیان ہوئی ہون، ان پر اگر مطلع و متنبہ فرمایا جائے تو بڑا احسان ہو گا، اور کتاب کی اشاعت مین انشاء اللہ اس کا ازالہ ہو سکے گا، بلکہ مزید درخواست یہ ہے کہ جو حضرات محض مجدد کے نام سے ناراض ہو کر استفادہ کے دروازہ کو اپنے اوپر بند کر لینا چاہتے ہون، وہ مجدد مانے بغیر ہی اعتقاد و عناد دونون سے خالی الذہن ہو کر حضرت کی تجدیدات مذہبی اصلاحات پر غور فرمائین اور اُن مین جو مسامحات نظر آئین، اُن سے بھی مطلع فرمائین؛ تاکہ اُن کا بھی ازالہ ہو سکے، کیونکہ معصوم تو بہرحال حضرت نہ تھے، اور اپنی تصنیفات کی اصلاح کے لئے خود ترجیح الراجح کا ایک مستقل باب کھول رکھا تھا، معارف مین "قومیات و سیاسیات" کا جو باب شائع ہوا ہو اُس کو حضرت کے بہت سے ایسے اکابر خفا اور اہل عقیدت نے جو حضرت ہی کی طرح لیگ یا کانگریس کے اکھاڑون سے عملاً کنارہ کش تھے بالاستیعاب اور توجہ سے ملاحظہ فرما کر الحمد للہ بڑی حد تک اپنی تصویب و توثیق سے ہمت بخشی ہے البتہ بعض حضرات نے کچھ جزئی ترمیمات کا مشورہ دے کر شکر گذار فرمایا ہے جس سے انشاء اللہ اصل کتاب مین استفادہ ہو گا

والاجر عند اللہ۔

تعلیم کا مطلب فرنگی دجل کے اس دور کا بہت بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اکثر سیاہ کو سفید اور زنگی کو کافور کا نام دے کر پروپگنڈے کا ڈھول اس زور سے پیٹا گیا ہے، کہ اس کے مقابل دوسری آواز کان پڑی سنائی نہین دیتی، ایسی برعکس نام نہند زنگی کافور کا معاملہ تعلیم کے ساتھ ہوا ہے، کہ یہ لفظ سنکر بے ساختہ

ذہن اسی نام نہاد نظام تعلیم کی طرف جاتا ہے، جس کا جال کروروں، اربوں کے مصارف سے اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کی سر بفلک عمارتوں کے اندر ساری دنیا مین پھیلا دیا گیا ہے، حتی کہ تعلیم یافتہ سے مراد اب اسی تعلیم کا حامل اسفار ہوتا ہے، اس لئے حضرت مجدد وقت کی تعلیمی تجدیدات و اصلاحات کا محل و مقام سمجھنے کے لئے ذرا خود تعلیم کا صحیح مطلب سمجھ لینا مقدم ہے،

تعلیم کے صحیح معنی "متعلم کو اس کے مقصدِ وجود اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے علم عطا کرنا ہین" لیکن تعلیم جدید نے انسان کو اپنے اور کائنات کے وجود کا جو علم و تصور عطا کیا ہے، وہ یہ کہ سارا کارخانۂ عالم بس ایک خودرو جنگل ہے، جس کا کوئی باغبان نہین، جس نے برگ و بار، اشجار و اثمار کو کوئی خاص مقصد پیشِ نظر رکھ کر قصد و ارادہ کے ساتھ لگایا ہو، اس جنگل مین طرح طرح کے خودرو جانور چرند و پرند بھی بھرے ہین، جن مین سے ایک انسان بھی ہے، البتہ وہ سب سے اعلیٰ درجہ کا حیوان (Highe manimal) یا سب سے بڑھیا جانور ہے، مگر ہے جانور ہی، اور اس جنگل کے دیگر خودرو نباتات و حیوانات کی طرح اس کو بھی کسی دیدہ و دانستہ مقصد سے نہین پیدا کیا گیا ہے، اس لئے اس کے حق مین تعلیم کے یہ معنی بھی بالکل بے معنی ہین، کہ وہ نام ہے اس کے کسی خاص مقصد اور تکمیل مقصد کی علم آموزی کا،

انسان اور کائنات کے متعلق اس علم و تصور کی منطق کا لازمی نتیجہ یہی ہو سکتا ہے، کہ جنگل کے دوسرے جانورون کی طرح یہ بھی زندگی کی ساری تگ و دو اور کشمکش، کھانے پینے رہنے سہنے اور جننے جنانے (یا توالد و تناسل) کی نذر کر دے، البتہ چونکہ یہ اعلیٰ درجہ کا جانور ہے، اس لئے اس کی بود و ماند کے سامان بھی قدرۃً اعلیٰ درجہ کے ہون گے، جانور اگر بھٹ مین رہتے ہین، تو یہ بنگلہ مین رہے، وہ اگر چر چگ کر کھاتے ہین، تو یہ میز کرسی پر کھائے، وہ اگر توالد و تناسل کے وظائف سیدھے سادے فطری طریقون سے انجام دیتے ہین، تو یہ ان کو کوک شاستر کا آرٹ بنا دے،

غرض جب انسان من حیث الانسان کا نہ کوئی جداگانہ مقصد و مقام ہے، نہ ماضی و مستقبل، یعنی نہ ماضی کی طرف اس کی آفرینش مین کسی کی مرضی و مشیت یا قصد و ارادہ کو دخل جس کی بنا پر اس کے وجود کا کوئی خاص مقصد و مراد یا مطلب و معنی ہون، نہ مستقبل مین اس کی موجودہ زندگی کا کوئی حساب کتاب یا جزا و سزا، تو اس کے سوا ہو ہی کیا سکتا ہے، کہ وہ آغاز و انجام سے یکسر بے پروا ہو کر تمام تر اسی سامنے کی مادی و فانی زندگی کے ماکولات و مشروبات، شہوات و رغبات، جاہ و جلال، آرائش و نمائش، کبریائی و سربلندی کے انفرادی و اجتماعی مقابلہ و مسابقت مین سر تا پا غرق رہے، اور اسی کو تعلیم و تہذیب، ترقی و تمدن کا کمال جانے، ساتھ ہی چونکہ اس اعلیٰ درجہ کے جانور (انسان) مین اعلیٰ درجہ کی عقل و ذہانت بھی ہے، اس لئے بالآخر اعلیٰ درجہ کے حیوان سے ترقی کر کے اعلیٰ درجہ کا شیطان بن جاتا ہے، اور اس بے لگام عقل و ذہانت کی بدولت ایک طرف ذہنی و دماغی عیاشیون کا شکار ہوتا ہے، اور دوسری طرف طرح طرح کی ایجادات و اختراعات سے حیوانی و جسمانی راحت و زینت، تعلّی و ترفع کے سامان مہیا کرتا ہے، پھر قدرۃً اسی میدان مین افراد و اقوام سب کی دوڑ شروع ہوتی ہے، اور ایک دوسرے کو ڈھکیل کر آگے نکل جانے مین بھی اسی اعلیٰ درجہ کی عقل و ذہانت سے مطلب برآری کے لئے اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی مکاریون اور چالاکیون سے کام لیتا ہے، اور ان کو سیاسیات و معاشیات وغیرہ کی ظاہر فریب و خوشنما اصطلاحات مین تعبیر کر کے زنگی کا نام ہی کافور نہین رکھتا بلکہ ایسا مسحور کر دیتا ہے، کہ سیاہ واقعۃً سفید دکھلائی دینے لگتا ہے، اَوَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا،

لازماً ایسی بے سر و پا تعلیم، جس کے تصور مین نہ زندگی کا کوئی سر ہے نہ پیر، نہ ماضی نہ مستقبل، نہ مبدأ نہ معاد، وہ قدرۃً محض حیوانی یا مادی زندگی کے تعیش و تفوق کے لئے فرد فرد، قوم قوم اور ملک ملک کو ایک دوسرے کے مقابلہ مین نبرد آزما کر دیتی اور انسانی بستیون مین جنگل کے قانون کے سوا کوئی قانون کارفرما نہین رہ جاتا، البتہ جنگل کے جانور سینگ اور پنجے مارتے، یا دانت سے نوچتے پھاڑتے ہین، وہ بھی ایک نے

بہت سے بہت دو چار کو کھا چبا ڈالا، لیکن یہ اعلیٰ درجہ کا تعلیم یافتہ جانور اپنی عقل وتعلیم کے زور سے ایٹم بم سے ایک
ہی وار میں شہر کے شہر بوڑھوں، بچوں، عورتوں، بیماروں کی تمیز کے بغیر نیست ونابود کر ڈالتا ہے، اس
شتر بے مہار تعلیم کی بدولت ساری زمین شر وفساد سے بھر گئی ہے، جنگوں اور خانہ جنگیوں نے کسی گوشہ میں امن
وامان کا نشان نہیں چھوڑا، جنگ عظیم اور پھر جنگ عالمگیر کے برپا کئے ہوئے انفرادی واجتماعی مصائب ابھی
ختم نہیں ہوئے، بلکہ روز افزوں ہیں، کہ تیسری جنگ عالم سوز کے فریق دانت نکال کر نمودار ہو گئے
ہیں، اور ہاتھ طبل جنگ پر ہے،

ابھی حال ہی میں امریکہ کے ایک وظیفہ یاب امیر البحر کا مضمون شائع ہوا ہے کہ مختلف قوموں نے دور
دراز فاصلوں تک تباہی وبربادی پھیلانے والے ایسے آلات حرب بنائے ہیں جو روئے زمین سے انسانی
وحیوانی اور نباتی زندگی کا آخری نام ونشان تک مٹا ڈالیں گے"، (پانیر ۳ اکتوبر ۱۹۴۸ء ص ۱۱) اور یہ
ساری برکت انہی بڑے نام والے علوم جدیدہ حیاتیات (بیالوجی) جرثومیات (بیکٹریالوجی) وموسمیات
(کلائماٹولوجی) وغیرہ کی ہے، جن پر عصر جدید کی تعلیم وترقی کو سب سے زیادہ فخر ہے،

خود ہمارے ملک ہندوستان میں اسی تعلیم جدید کے سوا قانون کی حاصل کردہ آزادی کی برکات
نے چند ہفتے کے اندر ہی کشت وخون کی آزادی کا جو ناقابل بیان بازار گرم کر رکھا ہے، وہ آنکھوں کے
سامنے ہے، سیکڑوں ہزاروں نہیں لاکھوں انسان، جان وایمان، جان ومال، عزت وآبرو، وطن ودیار
سے محروم کئے جا چکے، سفر وحضر میں کہیں امان نہیں، اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ آگے اور کیا کیا دیکھنا پڑے گا،

تعلیم جدید کا مبلغ پرواز

اگر کشت وخون، شر وفساد کے اس وبال ونکال تک بفرض محال نوبت نہ بھی
آئے، تب بھی تعلیم جدید کا رقاص (یعنی علم)، اپنے بے آغاز وبے انجام تصور تعلیم کی رو سے قدرۃً صرف نفسانی
وحیوانی زندگی، لذت ومسرت جاہ ومال کے مابین ہی رقص کرنے پر مجبور ہے، علم وتعلیم کے اس "مبلغ پرواز"
کا ایک دلچسپ تجربہ خود حضرت علیہ الرحمہ نے اپنا نقل فرمایا ہے، کسی مقام پر حضرت کی

ایک انگریز جنٹلمین سے اس کی خواہش پر ملاقات ہوئی، دوران گفتگو میں اوس نے پوچھا کہ ہم نے
سنا آپ نے قرآن شریف کی تفسیر لکھی ہے، تو آپ کو کتنا روپیہ ملا، حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے
دل میں کہا کہ واہ وا بس یہ ہے آپ کا مبلغ پرواز اور مطمح نظر، جب میں نے کہا کہ کچھ نہیں ملا تو
بڑے تعجب سے پوچھا، کہ اتنی بڑی کتاب لکھی، اور کچھ بھی نہ ملا تو پھر کیا فائدہ اتنی محنت ہی
کیوں کی؟ ...... خیر میں نے اس کے مذاق کے مطابق اس کو سمجھایا، کہ اس سے مجھے دو
فائدے ہوئے، ایک تو یہ کہ علاوہ اس زندگی کے ہم مسلمانوں کے اعتقاد میں ایک دوسری
زندگی بھی ہے، وہاں ایسے کاموں کا عوض ملنے کی ہم کو توقع ہے"،

یہ تو صاحب کے مبلغ علم کی سمجھ میں کیا آتا، البتہ آگے جب حضرت نے فرمایا کہ
"دوسرا فائدہ دنیا کا بھی ہے کہ میں نے یہ تفسیر اپنے بھائی مسلمانوں کے فائدہ کے لئے لکھی ہے،
جب اپنے بھائیوں کے ہاتھ میں دیکھتا ہوں تو خوشی ہوتی ہے، کہ میری قوم کو اس سے نفع
پہنچ رہا ہے، چونکہ یہ تقریر اس کے مذاق کی تھی، اس کے نظر میں میری بڑی وقعت ہوئی،
غرض جو روپیہ پیسہ اور جاہ کو مقصود سمجھے گا، وہ ضرور ایسے شخص کو کہے گا، کہ بڑا بے وقوف ہے
کہ محض دین کے لئے اپنا جاہ ومال سب برباد کر دیا،

(وعظ طریق القلندر ص ۲۵ و ۲۶)

لاکھوں کروڑوں کے سامانوں اور فلک بوس ایوانوں کے اندر بڑے بڑے دعووں کے ساتھ
آج کل جو تعلیم دیجاتی ہے، بھلا بتلائیے کہ اس کا "مبلغ پرواز" اس فانی ومادی زندگی کے جاہ ومال، لذت
ومسرت کے سوا کیا ہے، بہت بلند اڑے تو انفرادی سے آگے اجتماعی، یا قومی وملکی، یا بڑے زبانی دعووں
میں اور بھی اونچے اڑے، تو ساری انسانیت کے لئے انھیں چند روزہ حیوانی منافع ونفسانی لذات کو
مطمح نظر بنا لیا، جب فرد، قوم یا انسان زیادہ سے زیادہ ایک اعلیٰ درجہ کا حیوان ہے، اور دیگر حیوانات کی

طرح کھاپی کر مرجانے کے سوا اس کا کوئی اور انجام نہین، تو پھر اس کی تعلیم مین زیادہ سے زیادہ اور اعلیٰ سے اعلیٰ حیوانی لذات و فوائد فراہم کرنے سے آگے نظر آخر جا ہی کیسے سکتی ہے، خواہ اس کا نتیجہ بالآخر اعلیٰ درجہ کے حیوان سے ترقی کرکے اعلیٰ درجہ کا شیطان بن کر خود اس دنیاوی زندگی کی خودکشی اور اس کے امن و امان بلکہ ساری آبادی کی بربادی کی صورت مین ظاہر ہوا،

سو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اسلام کے تصور مین انسان نہ نرا اعلیٰ درجہ کا حیوان ہے، نہ اسلام کا تعلیمی تصور اس کی عارضی وضمنی حیوانیت کو ترقی دے کر اس کو اعلیٰ درجہ کا شیطان بنانا چاہتا ہے، انسان انسان ہے، اور اس کی تعلیم کا مقصد اس کو انسان کامل بنانا ہے، اسلام کی نگاہ مین انسان کی اصلی انسانیت نفخت فیہ مین روحی والی الٰہی روحانیت ہے، اس روحانیت کے مطالبات اتنے اعلیٰ و نامحدود ہین، کہ ان کی سمائی دنیا کی ادنیٰ و محدود زندگی مین ناممکن ہے، وہ اس زندگی کو آغاز و انجام سے ناآشنا، یا ماضی و مستقبل سے غیر مربوط لایعنی و عبث قرار نہین دیتا، بلکہ اس فانی و محدود کا دامن ایک غیر فانی و غیر محدود ذات و انجام سے بندھا ہوا ہے، واللہ خیر وابقیٰ والآخرۃ خیر وابقیٰ اور دینی تعلیم کا مقصد دنیاوی زندگی کو اسی خیر و ابقیٰ کے شایان شان بنانا ہے، نہ کہ انجام و منزل سے آنکھین بند کرکے خود راستہ ہی کو منزل بنا لینا، اور اس طرح خوردن برائے زیستن، اور پھر زیستن برائے خوردن کے چکر مین جان دیدینا، جس کو راقم ہذا اس گندی زندگی کے مناسب گندی مثال مین طعام خانہ اور پاخانہ کے درمیان چکر کاٹنے کی زندگی کہا کرتا ہے، کہ کھانا اور ہگنا، اور پھر کھانا اور پھر ہگنا، اور یہی کرتے کرتے جانورون کی طرح مرجانا، اور کبھی یہ سوال تک نہ پیدا ہونا کہ کھانا پینا سب کچھ ہمارے لئے، تو ہم آخر کس لئے ؟ دین اور تعلیم دین دراصل اسی سوال کا جواب ہے، کہ ہمارا حقیقی مقام و مطلب Main اس کائنات مین کیا ہے، - place in nature. یا بالفاظ دیگر تمام علوم و فنون کا موضوع انسان کی اس دنیوی زندگی کے کسی نہ کسی شعبہ کی مادی و حیوانی ضروریات و حاجات کو

پورا کرنا ہے، اور علم دین کا موضوع (بلکہ دین کی نگاہ مین علم نام ہی اس کا ہے جس کا موضوع) خود اس زندگی کا مقصد و منتہیٰ متعین کرتا ہے، اور دینی تعلیم کا مقصد اسی مقصد و منتہیٰ تک پہنچانا ہے ان للمونتہا حتی فانتھوا الی نہایتکم،

اصل مین تو یہ گفتگو اور زیادہ تفصیل و تطویل کی طالب ہے، جو انشاء اللہ مستقلاً اپنے موقع پر ہوگی یہان مختصراً اہل بصیرت کے لئے چند اشارات عرض ہین،

۱- انسان اور کائنات کی فطرت و ساخت مین ایک اعتبار سے بڑا تضاد ہے، انسان کی الٰہی یا روحانی فطرت خیر مطلق، بقاے دوام اور نامحدودیت کی طالب ہے، حتی کہ لباس و طعام، مسکن و قیام کی خالص نفسانی و حیوانی لذات و حاجات تک جن مین دیگر حیوانات اپنی جبلت کی بندھی ہوئی راہ پر کھا پی کر مرجاتے ہین، ان مین بھی انسان کسی ایک نقطہ پر چین نہین لیتا، نہ کسی نقص و شر کو باقی رہنے دینا چاہتا، بلکہ کامل سے کامل تر اور خوب سے خوب تر کی دھن مین لگا تار رہتا ہے، کہ

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہان اب دیکھئے ٹھہرتی ہے جاکر نظر کہان

لیکن کائنات کی ساخت ایسی واقع ہوئی ہے، کہ یہان کی ہر شے محدود و فانی، اور ہر خیر کے ساتھ شر توام ہے، جو خود اس بات کی فطری دلیل ہے، کہ انسان کی یہ زندگی کسی اور زندگی کی طالب ہے، جہان کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہونی چاہئے، کہ انسان کی مشیت نامحدود ہوجائے، جو یہ چاہے وہ ہو، جو مانگے، وہ پائے، ولکم فیہا ما تشتھی انفسکم ولکم فیہا ما تدعون اور یہ زندگی اسی نامحدود زندگی کا محض راستہ ہے، نہ کہ خود منزل مقصود، اور راستہ کی کامیابی یہی ہے، کہ نظر کسی وقت بھی منزل سے روگردان نہ ہو، نہ کوئی قدم بے راہ پڑے،

۲- اب اگر انسان کا کوئی عقلمند قافلہ منزل کو فراموش کرکے راستہ یا مسافرخانہ ہی کی راحت و لذت کے مقابلہ و مسابقت مین لڑلڑا کر جان دیتا ہے، تو اس کی منزل معلوم اور راستہ بہرحال راستہ ہے،

اس مین تنزل کی کامل آسودگی کی فکر حماقت کے سوا کیا ہے،؟ اس طرح انسانون کے مختلف افراد اور قافلے (واقوام) اپنی فطرت کے نامحدود مطالبات کا سارا زور اگر اس دنیا کے جاہ و مال کے محدود مطلوبات و لذات پر لگا دین، تو ظاہر ہے کہ اس کا نتیجہ ٹ۔ہی اور کتون کی جنگ اور خودکشی کے سوا کیا نکل سکتا ہے؛

نسوا اللّٰہ فانسا ھم انفسھم؛

پس یہ دو باتین اگر سمجھ مین آ جائین، تو اسلامی تعلیم کی اس بنیاد کو سمجھ لینے مین بھی کوئی دشواری نہ ہوگی، کہ اس کا اصلی مقصود مستقبل کی اُس خیر و ابقیٰ زندگی کی فلاح و کامیابی ہے، جو انسانی فطرت کے اعلیٰ حقیقی مطالبات کی کامل آسودگی کا مظہر ہو گی، اور موجودہ زندگی کی حیثیت مقصود کی نہین، بلکہ وسائل کی ہے، اور اس وسیلہ کو مقصود بنانا ویسی ہی خود فریبی و نادانی ہے، جیسے بخیل آدمی خود مال کو مقصود بنا کر اس کے پیچھے عزت و راحت سب کچھ بلکہ جان تک گنوا دیتا ہے، اور نتیجہ الٹ کر یہ ہوتا ہے، کہ روپیہ پیسہ جس عزت و راحت کا وسیلہ تھا، اسی سے محروم رہتا ہے، ومن یوق شح نفسہ فاولٰئک ھم المفلحون؛

یہی خسر خدا و آخرت کو فراموش کرکے جاہ و مال پر جان دینے والی تعلیم کا آنکھوں کے سامنے ہے کہ خود دنیا بھی اس کی بدولت آخر کار جہنم بن کر رہی، افراد و اقوام سب اسی جاہ و مال کی آتش رقابت مین بھسم ہوتے جاتے ہین، اور قلب کا آرام و اطمینان یا دل کا سکھ چین نہ حکومت و وزارت کی کرسیون کو نصیب، نہ صنعت و تجارت کے کارخانون اور کوٹھیون مین، سب کے سینہ مین ھل من مزید کی بھٹی دہک رہی ہے، ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا

راز یہی ہے کہ جب مطلوب قلیل و محدود ہو، اور طلب کثیر و نامحدود تو اہل طلب میں رقابت و مخاصمت ناگزیر ہے، دنیا کا حال یہی ہے کہ یہ اور اس کی ہر شے جاہ و مال، حکومت و تجارت، لذت و راحت، سب ہی انسان کے نامحدود مطالبات کے مقابلہ مین نہایت محدود، اس لئے اگر سارا زور

ان ہی کی مطلوبیت پر صرف کر دیا جائے، اور تعلیم یہ ہو کہ اس فانی و محدود زندگی کے ان فانی و محدود مطلوبات کے سوا نہ آگے کوئی "خیر و ابقیٰ" مطلوب ہے، نہ خیر و ابقیٰ زندگی، بس جو کچھ ہے، یہی محدود و ناقص دنیا، اور یہی ناقص و فانی زندگی جس کو جو کچھ لینا ہے، یہین لیلے، تو یہ جنگ و خانہ جنگی کا علانیہ اعلان و مبارزت نامہ نہین تو اور کیا ہے،؟ اور اسی راستہ پر چل کر بالآخر اگر ساری زمین قومی و بین الاقوامی کارزار کا میدان بن گئی، تو تاسف جتنا ہو لیکن تعجب کی کیا بات ہے،

پھر اس اندھیر کا کچھ ٹھکانا ہے، کہ اسلئے دین کی تعلیم ہی کو شر و فساد کی جڑ مشتہر کر دیا گیا، جو اس محدود و فانی دنیا کی محدود و فانی مطلوبات و لذات سے انسان کی نظر کو اونچا کرکے اس کی اصلی فکر و عمل کی عنان کو باقی و نامحدود کی طرف موڑ دینا چاہتی ہے، کیونکہ خدا و آخرت ہی ایک ایسا غیر فانی و غیر محدود مطلوب ہے، جو ایک طرف انسان کی غیر محدود طلب کی تمام و کمال تشفی و آسودگی کا ضامن ہو سکتا ہے، اور دوسری طرف اس دنیا کے فانی و محدود و حیوانی و مادی مطلوبات و لذات سے نظر کو اونچا کرکے جاہ و مال تجارت و صنعت، حکومت و سیاست کی باہمی عداوت و رقابت اور روز روز کے فساد و خونریزی سے نجات بخش سکتا ہے، اس لئے کہ خدا و آخرت دنیاوی دولت و حکومت کی طرح کوئی ایسی حقیقت نہین کہ اگر ایک حصہ پر کسی ایک کا قبضہ ہو جائے، تو دوسرے کے لئے اس سے بھی زیادہ بلکہ زیادہ سے زیادہ کی گنجایش نہ رہے، تو پھر لڑائی جھگڑے کی گنجایش کہان، اس دین نے دنیاوی حکومت و تجارت لذت و راحت، جاہ و مال مین تفوق و برتری کے لئے جنگ و جدال کی اجازت دی ہے، بلکہ اس کی جنگ تو صرف انہی لوگون سے ہے، جو انسان کو اس کے مطلوب و مقصود خدا و آخرت کی راہ سے روک یا کج راہ کرکے تمام تر مادی و نفسانی لذات و مطلوبات مین فنا کرکے انسان کو انسان کے بجائے حیوان بنا دینا چاہتے ہین، الذین یصدون عن سبیل اللّٰہ و یبغونھا عوجا و ھم بالآخرۃ ھم کافرون،

باقی جو لوگ دین کا نام لے کر دنیا ہی کے مقاصد کے لئے لڑتے مرتے اور زمین مین فساد برپا کرتے ہین، وہ دین کی نگاہ مین خالص دنیا پرستون سے بھی بڑھ کر مجرم ہین، کہ خدا کی باتون کو کوڑیون کے دام فروخت کرتے ہین، (یشترون بآیات اللہ ثمناً قلیلاً) اور اگر کوئی زہر کا نام تریاق رکھ کر پینا پلانا شروع کردے، تو نتیجہ زہر ہی کا برآمد ہوگا، تریاق کا کیا قصور، دین سچ پوچھئے تو زیادہ تر صرف اپنے دوست نما دشمنون ہی کے ہاتھون بدنام ہوا اور ہورہا ہے،!

غرض دیکھا جائے تو ہمارے موجودہ انفرادی و اجتماعی مصائب و مفاسد مین سب سے زیادہ حصہ اسی موجودہ نظام تعلیم ہی کا ہے، جس نے خدا و آخرت کی مطلوبیت و مقصودیت کو عملاً زندگی سے خارج کرکے صرف جاہ و مال حکومت و تجارت اور نفسانی و حیوانی لذت و راحت کو انسان کا مطمح نظر اور مبلغ پرواز بنا دیا ہے، مختومیت قلب کی نوبت یہان تک پہنچی ہے، کہ افراد کی بیدینی و الحاد پسندی سے گذر کر اب حکومتیں اپنا سب سے بڑا دانشمندانہ کارنامہ یہ قرار دیتی ہے، کہ اپنے بیدین یا لادینی (Secular) ہونے کا فخریہ اعلان و تبلیغ کرتی رہین، جو اپنے دین کو پہلے ہی سے کھو چکے ہین، وہ گمراہی مین جتنی دور بھی نکل جائین، چندان تعجب نہ تھا، غم و غصہ تو اپنے حال پر ہے، جو زندہ و پایندہ دین کی شاہراہ پر (صراط مستقیم) پر کھڑے ہوکر لوگون کو اس کی طرف بلانے کے بجائے خود اُن کی آواز مین آواز ملانے اور راہبری کا منصب چھوڑ کر گمراہون کے پیچھے چل پڑے ہین، فَمَاذا بعد الحق الّا الضلال،

اس گم کردہ راہ دنیا کے از سر نو راہ پر آنے کی فقط ایک ہی صورت ہے، کہ قدرت کی طرف سے راہنمائی کی مشعل جس امت کے ہاتھ مین دی گئی ہے، پہلے وہ خود خدا شناسی و آخرت طلبی کی شاہراہ پر آگے ہو، اور اس کی فقط ایک ہی صورت ہے، کہ خدا شناسی و آخرت طلبی کی تعلیم و تربیت اور ساتھ ہی تبلیغ کا ایسا جامع و محیط نظام اختیار کیا جائے، جو امت مبعوثہ کے عوام و خواص

زن و مرد، پڑھے اور ان پڑھے سب کو حاوی و محیط ہو، حضرت جامع المجددین علیہ الرحمہ کے ہاتھون اللہ تعالیٰ نے دین کی تعلیم و تبلیغ دونون کی ایسی ہی جامع و حاوی تجدید فرمادی ہے، کہ اس کے قبول و عمل کے بعد نہ کوئی طبقہ انشاء اللہ محروم رہ سکتا ہے، نہ کوئی فرد، نظام تبلیغ کی اصلاح و تجدید کی اس جامعیت کا اندازہ اہل نظر الفرقان کے مضمون، تجدید تبلیغ سے فرما سکتے ہین، اور تجدید تعلیم کی اصلاحی جامعیت کا اندازہ اوراق ذیل سے فرمایا جائے، لیکن ثمرات باغبانی کی کسی بہتر سے بہتر خالی کتاب کے پڑھ لینے سے حاصل نہین ہوسکتے، وہ تو اصول و قاعدہ کے موافق باغ لگانے ہی سے حاصل ہون گے، ان اصول و قواعد کی تفصیل و تجدید آگے ملاحظہ ہو،

اوپر تعلیم الدین، اصلاح انقلاب، اور بہشتی زیور کے مضامین کی تفصیل سے اتنا بخوبی واضح ہوچکا ہے کہ حضرت جامع المجددین علیہ الرحمۃ کا پیش نہاد جامع و کامل دین کی جامع و کامل اصلاح و تجدید تھی، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت کے ہاتھون اس کو بوجہ اتم پورا فرماکر امت پر اتمام حجت فرمادیا، خود حضرت بطور تحدیث نعمت فرمایا کرتے تھے، کہ الحمد للہ دین و طریق صدیون کے لئے صاف و بے غبار ہوگیا، اب بڑا سوال یہ ہے کہ اس تجدید یافتہ کامل و جامع دین کی تعلیم و تبلیغ امت کے سارے طبقات، عوام و خواص ذکور و اناث مین کیونکر ہو، جیسا کہ اوپر اصلاح انقلاب مین معلوم ہوا، مسلمانون کے دینی و روحانی امراض کے بنیادی اسباب حضرت علیہ الرحمہ کی تشخیص کی رو سے دو ہین، بڑا اور پہلا سبب قلت علم یعنی علوم و احکام دین سے بے خبری ہے، ظاہر ہے کہ آدمی اپنے برے بھلے کو اگر جاننے کی طرح جان لے، تو جان بوجھ کر اپنے نفع و ضرر سے کون بے پروا ہوسکتا ہے، سقراط نے تو اسی بنا پر تعلیم اخلاق کا اصل الاصول یہی قرار دیا تھا، کہ "علم ہی نیکی ہے" غرض دین کی تعلیم و تبلیغ کے نظام مین بھی ایسی جامع و ہمہ گیر اصلاح و تجدید کی حاجت تھی، کہ اگر اس کے مطابق انتظام کر لیا جائے، تو کسی طبقہ اور کسی فرد کے لئے بھی بجز اپنی کوتاہی، و کم نصیبی کے محرومی کا کوئی جائز عذر نہ رہ جائے لہذا تجدید دین ہی

کا ایک جزیہ تھا، کہ دین کو لوگون تک پہنچانے یا اس کی تعلیم و تبلیغ کی صورتون اور انتظامات مین ضروری اصلاح و تجدید کے ساتھ اُن کو آسان سے آسان تر کر دیا جائے، پھر بھی اگر لوگ متوجہ نہ ہون تو (فانت تکرہ الناس حتی یکونوا مومنین)،

تعلیم و تبلیغ[1] کی ان اصلاحی و تجدیدی صورتون اور تدبیرون کا کچھ ذکر اصلاح انقلاب کی ابتدا مین گذر چکا ہے، اس کے علاوہ ایک مستقل رسالہ اسی موضوع پر حقوق العلم کے نام سے اور کئی وعظ آداب و تبلیغ الدعوۃ الی اللہ وغیرہ کے نام سے ہین، آگے اُن پر مختصر گفتگو ہے،

علم دین کے دو درجے فرض عین و فرض کفایہ

جس طرح دنیوی تعلیم کے دو معیار یا درجات قرار دیئے جاتے ہین، ایک لازم (کمپلسری) جس سے کسی فرد کو مستغنی و مستثنیٰ نہیں سمجھا جاتا، اور دوسرا اوس کے اوپر کا درجہ حسب خاص خاص ضرورتون کے لحاظ سے مختلف علوم و فنون داخل ہوتے ہین، اسی طرح دینی تعلیم کی بھی ایک مقدار لازم و واجب ہے، جس سے کسی دینی زندگی بسر کرنے والے کا استغنا و استثنا جائز نہین، یعنی زندگی کے مختلف شعبون کے وہ ضروری شرعی احکام جن سے کم و بیش سب کو سابقہ پڑتا ہے اس کی نسبت ارشاد ہے،

"علم دین کی دو مقدارین ہین، ایک یہ کہ ضروری عقائد کی تصحیح کیجائے، فرض عبادتون کے ضروری ارکان و شرائط و احکام معلوم ہون، معاملات و معاشرات مین جن سے اکثر سابقہ پڑتا ہے، ان کے ضروری احکام معلوم ہون، مثلاً نماز کن چیزون سے فاسد ہوجاتی ہے، قصر کتنے سفر مین ہے، زکوٰۃ کن اموال مین واجب ہے، نکاح کن عورتون سے حرام ہے، رضاعت سے کون کون رشتے حرام ہوجاتے ہین، اجرت ٹھہرانے مین کون صورتین جائز ہین، کون ناجائز، لباس کون حلال ہے، کون حرام،

[1] تبلیغ کا حصہ الفرقان مین ملاحظہ ہو،

نوکریان کون جائز ہین، کون ناجائز (اگرچہ بدقسمتی سے ناجائز مین مبتلا ہو مگر ناجائز کو ناجائز سمجھے گا، اور دو جرمون کا مرتکب نہ ہوگا، ایک تو ناجائز کا ارتکاب دوسرے اس کو جائز سمجھنا) اگر کوئی صاحب حکومت ہے تو اس کو فیصلۂ مقدمات کے شرعی قوانین کا علم بھی ہونا چاہئے، گو ان کے نافذ کرنے پر قادر نہ ہو، مگر جاننا اس لئے واجب ہے کہ شرعی فیصلون کے ناحق اور غیر شرعی کے حق ہونے کا اعتقاد نہ کر بیٹھے؛"

اس زمانہ مین مسلمان حاکمون کو غیر اسلامی قوانین کے تحت فیصلے کرنا پڑتے ہین، اُن کے لئے یہ امر کتنا ضروری ہے، کہ کم از کم اپنے اعتقاد ہی کو درست رکھ سکین، تاکہ منفعل و مستغفر کے درجے سے تو نہ گر جائین؛

"ماکولات و مشروبات مین کیا جائز ہے، یا ناجائز اسباب تفریح مین کس کا استعمال درست ہے، کس کا نادرست" باطنی اخلاق مین محمود و مذموم کا امتیاز، ریا و کبر، ظلم و غضب، حرص و طمع وغیرہ کی حقیقت اور ان کے علاج کا جاننا بھی ضروری ہے تاکہ اپنے اندر ہونا یا نہ ہونا معلوم ہو سکے، اور ہونے کی صورت مین ان کے ازالہ کی تدبیر کر سکے، اور کوتاہی پر استغفار کرے،"

"غرض علم دین کی یہ مقدار عام طور پر ضروری ہے، کیونکہ بدون اس کے حق تعالیٰ کی ناراضی اور معصیت مین مبتلا ہونا پڑے گا،"

"وہ مسلمان جو آج کل اعلیٰ تعلیم یافتہ کہلاتے ہین، اپنے دینی احکام کی مقدار واجب تک سے ان کی لاعلمی کا یہ حال ہے، کہ حضرت فرماتے ہین، کہ حقیقی بھانجے کی لڑکی سے نکاح حلال جاننے والا مین نے خود دیکھا ہے، باقی نوکری لباس اور اسباب تفریح مین تو ایسے صاحبون کے نزدیک کوئی چیز ممنوع ہی نہین، اور اخلاق مین بجز تفاخر مسلمانون کی تحقیر اور حرص دنیا کے جس کا نیا لقب ترقی ہے، اور کچھ سیکھا ہی نہین؛"

"دوسری مقدار یہ ہے کہ اپنی ضروریات سے تجاوز کرکے مجموعۂ قوم کی ضرورتوں پر لحاظ کرکے نیز دوسری قوموں کے شبہات سے اسلام کو جس مضرت کا اندیشہ ہے، اس پر نظر کرکے ایک ایسا وافی ذخیرہ معلومات دینیہ مع اس کے متعلقات ولواحق اور آلات وخوادم علوم کے جمع کیا جائے، جو مذکورہ ضرورتوں کے لئے کافی ہو۔[1]

"پہلی مقدار فرض عین تھی، اور یہ دوسری فرض کفایہ ہے، فرض عین کا حکم یہ ہے، کہ ہر ہر فرد انفرادی طور پر اس کا مکلف ہے، جو اس میں کوتاہی کرے گا، گناہگار ہوگا، اور فرض کفایہ کا حکم یہ ہے کہ اگر ہر مقام ایک ایسی جماعت موجود ہے، کہ ان ضرورتوں کو پورا کرسکے، تو سب مسلمان گناہ سے بچے رہیں گے، ورنہ سب مسلمان گناہ میں شریک ہوں گے"

بقدر واجب علم دین کے حصول کی آسان تدبیر

اس تقسیم سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ علم دین کی جس مقدار کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض عین ہے، وہ اتنے کم وقت کی طالب ہے، کہ حریص سے حریص طالب دنیا

[1] ایک نامی گرامی درسگاہ خاص طور پر یہی مقصد لے کر اٹھی تھی، لیکن افسوس کہ ایک طرف تو اس کی باقاعدہ تعلیم کا کوئی بندوبست نہیں، سارا سرمایہ سنی سنائی، یا نجی واخباری باتیں ہیں، باضابطہ درس میں وہی فرسودہ یونانیات کا چرخہ چلایا جا رہا ہے، یا نری زبان کی حد تک معمولی انگریزی شریک کردی گئی ہے، جس سے حال وقال میں ایک طرف فرنگیت کے رجحانات کو تقویت ہوتی ہے، دوسری طرف دنیا طلبی کا ایک ارزاں راستہ اسی دینی درسگاہ سے ہو کر بھی نکل آتا ہے، ان مفاسد ومضار کو خود ذمہ دار اکابر نے بھی محسوس فرمایا، مگر آگے آئی آیت، متعدد بار عرض کیا گیا، کہ اگر اصل مقصد جدید علوم عقلیہ کی صحیح و مستند کتابوں کی تعلیم اور ان سے پیدا ہونے والے شبہات کے مقابلہ کے لئے طلبہ کو تیار کرنا ہے، تو جامعہ عثمانیہ کی بدولت ایسی مستند کتابیں خود اردو میں منتقل ہو گئی ہیں، جن کی تعلیم کا انتظام کیا جا سکتا ہے، اور انگریزی کو ایسی صورت دی جا سکتی ہے جس سے ایسی کتابوں کے خود انگریزی میں مطالعہ کی استعداد پیدا ہو سکے" (باقی آئندہ ص ۱۸۵ پر)

کی دنیا طلبی یا آج کل کی نام نہاد ترقی میں کسی درجہ میں بھی مانع و مخل نہیں ہو سکتی، راقم احقر تجربہ کی بنا پر عرض کرتا ہے، کہ ساری عمر میں صرف دو تین مہینے وہ بھی پورا وقت نہیں، صرف دو تین گھنٹے روزانہ اگر جی لگا کر دیدیے جائیں، تو اس فرض عین کی ادائی کے لئے بالکل کافی ہیں، یعنی دنیاوی علوم کے طالب اور ترقی کے خواہاں اگر اپنی دس بارہ سال کی طالب علمانہ زندگی میں صرف ایک سال کی بڑی تعطیل کے صرف دو تین گھنٹے روزانہ حضرت کی تجاویز کے مطابق حضرت ہی کی کتابوں کے ذریعہ علم دین کی طلب میں صرف کردیں، تو آجکل کے نام نہاد سند لے بھاگنے والے مولویوں کے مقابلہ میں نہ صرف دین کے مسائل و معلومات کی حد تک بلکہ انشاء اللہ فہم دین اور تعلق مع اللہ میں بھی کمتر نہیں، برتر ہی رہیں گے،

ابھی عین اس تحریر کے دوران میں ایک تازہ تجربہ ہوا ہے، کہ ایک طالب صادق تین مہینے کی رخصت لے احقر کے پاس آکر مقیم ہو گئے ہیں، صبح دو گھنٹے کے لئے مدرسہ فرقانیہ کلام مجید کی تصحیح کے لئے جاتے ہیں، تیسرے پہر ایک بچے کو پڑھاتے ہیں، باقی وقت احقر کی مجوزہ ترتیب کے مطابق حضرت کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں، اور عصر و مغرب کے مابین راقم کے پاس بیٹھکر اس مطالعہ میں اگر کچھ شبہات رہ جاتے ہیں، ان کو صاف کر لیتے ہیں اور اسی سلسلے میں کچھ گفتگو ہو جاتی ہے، ابھی ایک ہی مہینہ ہوا ہے، کہ ایک طرف

(باقی حاشیہ ص ۱۸۴) مزید برآں ایک خاص دور کے بعض حالات و باقیات کی بنا پر کچھ ایسی سمیت اس درسگاہ میں سرایت کر گئی ہے، کہ اب تک خود اس کے طلبہ کے اعمال ہی میں نہیں عقائد میں بھی اس کی باقی ہے، تو دوسروں کو کیا جنتی بخشیں گے، نفس دینی احکام کی معلومات کا یہ عالم ہے کہ حضرت مجدد نے جس مقدار کو عامی کے لئے واجب ٹھہرایا ہے اس کی توقع وہاں کے عالم سے بھی بمشکل کیجا سکتی ہے، بلکہ فقہی مسائل کا تو یک گونہ قلب میں احتقار و استخفاف ہوتا ہے مستثنیات کا اعتبار نہیں ورنہ عام حالت یہی ہے، جو وہیں کے اساتذہ کی شہادت اور خود اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر ذاتی طور سے بھی سالہا سال تک عرض کیا گیا، اور یہاں حسب موقع اس لئے عرض کیا کہ کاش ان باتوں کی اصلاح کی طرف اب بھی کسی کو توجہ ہو سکتی، تو حضرت مجدد کی تعلیمی تجدید و اصلاح کا ایک بڑا کام ہو جاتا،

بحمد اللہ پارۂ عمّ نصف سے زائد صحتِ مخارج کے ساتھ حفظ کرچکے ہین، جس سے قرأت نماز بقدر واجب
صحیح ہوگئی، جو ہمارے سندی مولویوں مین بھی خدا ہی بہتر جانتا ہے، کہ کتنون کی ہوتی ہے، دوسری
طرف تعلیم الدین بہشتی زیور، اور بہشتی گوہر کے ضروری حصے ذاتی مطالعہ اور احقر سے رفع شبہات کے ساتھ
ختم ہین، کچھ ملفوظات بھی روزانہ پڑھ لینے کی ہدایت ہے، اس کے بعد چالیس مواعظ، یہ پورا
انشاء اللہ تین مہینے کے اندر ہی پورا ہوجائے گا، اسی دوران مین ضروری مسائل و معلومات کے ساتھ
حضرت کی کتابون خصوصًا ملفوظات کی برکت سے دماغ دین کی فہم اور دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق
کا بھی کچھ نہ کچھ لذت آشنا ہو چلا ہے،

اب انگریزی اسکولون، کالجون مین پڑھنے پڑھانیوالے جو طلبہ و اساتذہ اپنی صرف ایک سال کی
ایک تعطیل اور عام مسلمان ساری زندگی مین دو تین مہینے بھی ایک ساتھ یا حسب فرصت متفرق اوقات
مین آخرت کی ابدی زندگی و فلاح کے لئے نہین دے سکتے، وہ اپنے ہی گریبان مین سر ڈال کر غور کر
لین، کہ ایسی صورت مین کس مُنھ سے اپنے کو مسلمان کہنے، اور خدا و رسول کو سچا جاننے، اور ان پر ایمان
رکھنے کا دعویٰ کرتے ہین، یہ تو ایک ضروری جملہ معترضہ تھا،

حاصل مطلب یہ ہے کہ جو علم دین فرض عین یا ہر شخص کے لئے فرداً فرداً واجب و لازم ہے، اس کے
معنی یہ بالکل نہین کہ ہر شخص کا پورا اور اصطلاحی عالم ہونا لازم ہے، کہ دنیوی یا معاشی مشاغل مین خلل کا
خدشہ و اندیشہ ہو، البتہ سارے مسلمانون کے ذمے،

"یہ انتظام ضروری ہے کہ ایک معتدبہ جماعت ایسی بھی ہو، جو ہر طرح علوم دینیہ مین
کامل و محقق ہو اور عمر کا بڑا حصہ ان علوم کی تحصیل مین اور ساری عمر اُن کی خدمت و
اشاعت مین صرف کرین جس کے سوا ان کا کوئی کام نہ ہو، قرآن مجید اس آیت مین
اسی جماعت کا ذکر ہے، ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر و یامرون

بالمعروف وینھون عن المنکر، اور حدیثون مین اصحاب صفہ کی یہی مثال ہے"،

باقی عام مسلمان اسی جماعت سے تقریرًا و تحریرًا اپنی دینی ضرورتون کو رفع کیا کرین،
جو پڑھنے کے قابل ہین، جیسے بچے یا جو قدرے معاش سے فارغ ہین، اُن کے لئے بہتر یہ
ہے کہ اس جماعت سے سبقاً سبقاً کچھ رسائل عقائد و مسائل کے پڑھ لین، پھر نئے پیش
آنے والے واقعات کے متعلق وقتاً فوقتاً اس جماعت سے پوچھتے رہین، اس طرح تھوڑے
زمانہ مین بڑا ذخیرہ معلومات کا جمع ہوجاتا ہے، اور جو کسی سبب سے اس طرح نہین پڑھ سکتے
وہ کم از کم ہفتہ مین ایک روز گھنٹہ دو گھنٹے نکال کر ایک معین وقت پر کسی سمجھ دار ذی علم سے
درخواست کرین، کہ ایسے رسائل پڑھ کر سُنا اور سمجھا دیا کرے، اور ضرورت کے وقت پوچھتے
رہنا، یہ تمام عوام، بلکہ علماء کے لئے بھی (جو بات ان کو معلوم ہو) واجب ہے، پھر ان طریقون
سے زبانی یا کتاب کے ذریعہ جب خود احکام پر مطلع ہو لین، تو اپنے اپنے گھر کی مستورات کو
پڑھاتے یا سُناتے رہین"،

دینی علم کی مقدار واجب کے لئے پڑھا لکھا ہونا بھی ضروری نہین، سماعت و صحبت سے یعنی کتابین
سُن سُنا کر یا اہلِ علم کی صحبت و دینی تربیت سے بآسانی اس مقدار واجب کو حاصل کیا جا سکتا ہے،

کی مرض شناسی

اصلی سوال اس مذکورۂ بالا جماعت کے انتظام معاش کا ہے، جن کے لئے
علوم دینیہ مین کامل و محقق ہونا ضروری تجویز فرمایا گیا ہے، اور اس لئے عمر کا بڑا حصہ ان علوم کی تحصیل
مین اور پھر تمام عمر ان کی اشاعت و خدمتِ دین مین صرف کرنا" ضروری ہے، ظاہر ہے، کہ اس طرح
ساری عمر خدمتِ دین کی راہ مین نذر کر دینے کے بعد اُن کو کسبِ معاش کا موقع کیسے مل سکتا ہے، اس
مشکل کا قدرتی و صحیح اور ساتھ ہی سب سے مفید و آسان حل تو وہی ہے، جس کی طرف ترغیبًا و ترہیبًا ہر طرح
حضرت علیہ الرحمہ نے کثرت سے جا بجا اپنی کتابون اور مواعظ وغیرہ سب مین متوجہ فرمایا ہے کہ امراء کا

طبقہ جو بقدر کفایت معاش کی فکر سے آزاد ہے، اس کے ذمہ زیادہ حق تھا کہ اپنی اولاد کو اس خدمت
کے لئے وقف کرتے، پھر اولاد مین بھی ذہین وفطین وسلیم وفہیم ہونہ کہ جو سب سے کودن ہو، دس حقوق کو
اور جو ہزارون روپیہ ہندوستان سے لے کر ولایت تک ان کی دنیوی تعلیم پر صرف کرتے ہین، اسی کو
(کسی جائداد یا کاروبار مین لگاکر) ان کی رئیسانہ وامیرانہ نہ سہی تو متوسط درجہ کی ساری ضرورتون کو
کافی ہو سکتی تھی، پھر چونکہ یہ اولاد آسودہ حال گھرانون کی ہوتی، اس لئے قدرۃً ان مین بالعموم وہ ذہنی
تنگ نظری وغیرہ بھی نہ ہوتی، جو غریبون مین متوارث ہوتی ہے، اور جس کا راسخ اثر علوم دینیہ
کی تعلیم سے بھی دور نہین ہوتا، مگر ظلم یہ ہے کہ امراء خود اپنی اس کوتاہی پر نادم نہین ہوتے، کہ جو خدمت
دراصل اُن کے کرنے کی تھی، وہ بیچارے غریب غرباء کرتے ہین، بلکہ اگر ان غریب گھرانون کے علما
مین کچھ موروثی اثر سے اخلاقی خرابیان رہجاتی ہین، توان کی بناپر الٹے علماء کی ساری جماعت پر
لعن وطعن کرتے ہین، یہی نہین، بلکہ ان خرابیون کو نہایت جسارت کے ساتھ نفس دینی وعربی تعلیم
کا نتیجہ قرار دیتے ہین، حالانکہ واقعہ بقول حضرت علیہ الرحمہ کے یہ ہے کہ:-

"اُن غرباء کو انگریزی تعلیم دیجاتی تو اس سے بھی بدتر حال ہوتا، اور امراء وشرفاء کے
بچّون کو اگر دینی تعلیم کے لئے وقف کیا جاتا، توان کے اخلاق وعادات اس سے ہزارون
درجہ بہتر ہوتے، جو انگریزی پڑھ کر ہوتے ہین"

بات یہ ہے کہ ایک تو امراء پر امارت کے باوجود بالعموم دنیا طلبی کا غلبہ غرباء سے بھی زائد ہے،
دوسرے علم دین کی جو وقعت قلب مین ہونی چاہئے وہ نہین، اس لئے وہ امراء تک:-

"جو دینی مکتب ومدارس قائم کرتے ہین، اسلامی وقومی خیر خواہی کا دعوی بھی کرتے
ہین، مگر اس کام کے لئے اپنی اولاد کو کبھی نہین تجویز کرتے، اولاد کے لئے ڈپٹی کلکٹری
منصفی، سب ججی، ودبیرٹری ہی تجویز ہوتی ہے، اور مولویت کے لئے جس کو بزعم خود ذلیل

کام سمجھتے ہین، وذلیل لوگون کو منتخب کیا جاتا ہے، غور کا مقام ہے کہ جس کام کے لئے غریب لوگ
منتخب کئے جائین، اس کی وقعت اُن کے قلب مین کیا ہوگی، اگر یہ کام ضروری وباوقعت
ہے، اور اس کا اہتمام کرنا قومی واسلامی خیر خواہی ہے، تو اس شرف کے لئے خود اپنی اولاد
کو کیون نہین تجویز نہین فرمایا جاتا،

خوب سمجھ لینا چاہئے کہ جو کام معزز طبقہ کے ہاتھون مین ہوتا ہے وہ عام نظرون مین
بھی معزز وضروری سمجھا جاتا ہے، لہذا امراء کے ذمہ بہ نسبت غرباء کے زیادہ حق ہے کہ وہ اپنی
اولاد کو اس خدمت کے لئے وقف کردین، پھر اولاد مین بھی جو ذہین وفطین وسلیم وفہیم ہونہ
کہ جو سب سے کودن ہو" (ص ۸۰)

علما ومشائخ کی مہلک خود فراموشی

امراء تو خیر امراء ہی ہین، اب تو بڑے بڑے خاندانی علما ومشائخ تک
جو نسلاً بعد نسل سے علوم دین کے حامل وخادم چلے آرہے ہین، وہ بھی انگریزی دانون کے مقابلے
مین خود اپنے اور اپنے دینی علوم کو عملاً ذلیل وحقیر خیال کرتے، اور اولاد کو دھڑا دھڑ اسکولون کالجون
مین پہنچاتے چلے جارہے ہین، اور جب امراء وعلماء کا یہ حال ہے تو عوام تو بالعموم ان کے پیچھے چلتے ہی
ہین، ان عوام مین بھی خال خال ہی کوئی اللہ کا بندہ ہوتا ہوگا، جو دین، اور علوم دین کو ضروری وباوقعت
جان کر اپنی اولاد کو اس طرف جانے دیتا ہو، ورنہ خود تکلیف اٹھاکر قرض کرکے بھیک مانگ کے یا اولاد
ہی سے ٹیوشن کراکے زیادہ تر کوشش یہی ہوتی ہے، کہ اگر بی اے ام اے نہین تو میٹریکیولیٹ ہی ہوجائے
اس لئے عوام یا متوسط طبقہ کی جو اولاد عربی مدرسون مین نظر آتی ہے، وہ زیادہ تر کسی مجبوری وبیچارگی
ہی سے آجاتی ہے،

غیر مستطیع علما کے مسئلہ معاش کا قرآنی حل

پھر بھی عربی ودینی درسگاہون کی جو کچھ آبادی ہے، وہ بہت کچھ غریب
عوام ومتوسط طبقہ ہی کے دم سے ہے، اس لئے بڑا سوال ان کی فکر معاش

کا ہو سکتا ہے کہ مولوی بن کر اور ساری زندگی علوم دین کی تحصیل و تبلیغ مین لگا کر آخر کھائین کہان سے
اس کا مفصل جواب حضرت جامع المجددین نے قرآن کی ایک آیت سے دیا ہے، جو لفظ بلفظ نقل کرنے
کے لائق ہے، آیت یہ ہے:-

للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ لا یستطیعون ضرباً فی الارض
یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف تعرفھم بسیماھم لا یسئلون
الناس الحافاً وما تنفقوا من خیر فان اللہ بہ علیم"

"جس سے ایک قاعدہ مفہوم ہوتا ہے، جس سے فقہا نے بہت سے فروع متفرع کئے
ہین، وہ قاعدہ یہ ہے، کہ جو شخص کسی کی منفعت کے لئے محبوس ہو تو اس کا نفقہ اسی پر واجب ہے،
جیسے زوجہ کا نفقہ زوج پر (یہ تو انفرادی وجوب کی صورت ہے، دوسری صورت جماعتی وجوب
کی ہے،) جیسے قاضی و والی کا نفقہ بیت المال پر، جس کا حاصل تمام مسلمانون پر وجوب ہے،
(کیونکہ بیت المال کا سرمایہ تمام مسلمانون کو ہوتا ہے) لہذا جب یہ جماعت خدمت دین کے لئے
(جو مدلول ہے فی سبیل اللہ کا) محبوس و وقف ہے (جو مدلول ہے احصروا کا) تو ان کے
حوائج کی بقدر کفایت تکمیل (جو مدلول ہے، فقراء کا) مسلمانون کے ذمہ واجب ہے، (جو
مدلول ہے لام استحقاق کا) تو اب اس جماعت کے مصارف کی کفالت جمہور مسلمانون کا
کام ہے، خواہ تعین کے ساتھ، جیسے مدرسین و واعظین کی تنخواہ، خواہ بلا تعین جیسے متوکلین کی
خدمت، بس یہ شبہہ منقطع ہو گیا، کہ مولویون کی جماعت کھاوے کہان سے،

"اس آیت سے اور بھی چند فوائد نکلتے ہین، جن کو گو اس بحث مین دخل نہین، مگر تعلق ہے
اس لئے ذکر کئے جاتے ہین:-

ایک یہ کہ ایسی جماعت کو تحصیل معاش مین بالکل مشغول نہ ہونا چاہئے، جیسا کہ لا یستطیعون

ضرباً فی الارض اسی پر دلالت کرتا ہے، اور اس سے وہ الزام بھی جاتا رہا، جو عوام الناس
علماء پر طلب معاش مین اپاہج ہونے کا لگاتے ہین، بلکہ اس معنی مین ان کا اپاہج ہونا ضروری
ہے، اور راز یہ ہے کہ ایک شخص سے دو کام پوری طرح ہوا نہین کرتے، خصوص جب ایک کام
ایسا ہو کہ ہر وقت اس مین مشغول رہنے کی ضرورت ہو، خواہ ہاتھ کو، خواہ زبان کو، خواہ دل کو
خدمتِ دین ایسا ہی کام ہے، اور علوم دینیہ کی تدریس بہ ذرائعِ معاش مین داخل نہین،
بلکہ اس کی تنخواہ بوجہ خدمت دین میں محبوس ہونے کے ہے، اور تنخواہ کی تعیین اس مصلحت سے
ہوتی ہے کہ نزاع نہ ہو،

"ایک یہ کہ ایسے لوگون کو کسی دنیا دار کے سامنے اپنی حاجت پیش نہ کرنا چاہئے، بلکہ اغنیا کی
طرح مستغنی رہین،" جیسے یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف اس پر دال ہے"

واقعی ان آیات مین دین اور خادمان دین دونون کی خدمت کا ایسا سہل و شایستہ اور
اور تمام مفاسد سے پاک صاف انتظام اور ساری مشکلات کا حل اور سارے شبہات کا جواب موجود ہے،
کہ اگر دنیا کے معمولی معاملات کے برابر بھی ہمت و اہتمام سے کام لیا جائے تو اپنے پرائے کوئی دین کی تعلیم
و تبلیغ سے محروم نہین رہ سکتے، حالانکہ دین کا حق اور عاقبت اندیشی کا تقاضا تو یہ تھا، کہ اس کے چھوٹے
سے چھوٹے کام کے لئے بھی دنیا کے بڑے سے بڑے کام کے مقابلے مین بدرجہا زائد ہمت و اہتمام سے کام
لیا جاتا، لیکن جب غفلت اور ناعاقبت اندیشی کا یہ حال ہو کہ دین کے بڑے سے بڑے معاملے کی دنیا
کے چھوٹے سے چھوٹے معاملے کی برابر بھی فکر نہو، تو مسلمانون کو یاد رکھنا چاہئے، کہ اُن کی یہی غفلت
خسران آخرت ہی نہین، خسرانِ دنیا کا بھی سبب ہے، اس لئے کہ اُن کی فلاح دنیا کا دامن فلاحِ
دین کے ساتھ بندھا ہوا ہے، اور اُن کو اپنی دنیا کا قیاس غیرون کی دنیا پر ہر گز نہ کرنا چاہئے،

(باقی)

اسلام کا معاشیاتی نظام

از

جناب مولوی حیدر زمان صاحب صدیقی

(۲)

اسلام کے معاشی نظام کی نظریاتی خصوصیات

کسی نظریۂ زندگی کی خوبی اور برتری کا معیار یہ ہے کہ وہ کہاں تک انسانی ضرورتوں کی تکمیل کرتا ہے، اور مختلف انسانی طبقات میں اس کا ردِ عمل کیا ہے، دنیا کے مختلف نظریہ ہائے زندگی کے حسن و قبح کو اسی معیار پر پرکھا جا سکتا ہے،

یوں تو ہر نظام کے موسسین کا دعویٰ ہے کہ ان کا بنایا ہوا نظام انسانوں کی تمام مجلسی، معاشی اور سیاسی ضرورتوں کا کفیل ہے، مگر یہ ضروری نہیں کہ ہر دعوی واقعیت اور حقیقت پر مبنی ہو، بلکہ جہاں تک تجربہ و مشاہدہ کا تعلق ہے، ہر انسانی نظام کی تہ میں خود غرضی، تفریق و امتیاز اور ظالمانہ تفوق و برتری کے عوامل کارفرما نظر آتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آج حریت و مساوات کے بلند بانگ دعووں کے باوجود انسان، انسان ہی کو نگل رہا ہے، اور اپنے ہی ابناء نوع کے گوشت پوست اور خون میں سب سے زیادہ لذت محسوس کرتا ہے، اگر حریت و مساوات یہی ہے تو پھر درندگی، سفاکی، دحشت و بربریت، اور غصبِ حقوقِ انسانی کس چیز کا نام ہے،

حقیقت یہ ہے کہ انسانی طبائع کسی حال میں بھی منفعتِ ذاتی اور غرض مندی کے جذبات سے مبرّا نہیں ہو سکتیں، اپنی ذات انسان کو ہر چیز سے عزیز تر ہے، اس کے بعد درجہ بدرجہ نسل خاندان اور وطن

وغیرہ کے تعلقات عزیز ہیں اس لئے انسان شعوری یا غیر شعوری طور پر ان کے مفاد کو دوسروں کے مفاد پر مقدم خیال کرتا ہے، یہ دوسری بات ہے کہ وہ اس امتیازی طرزِ عمل کو خوبصورت اور دلکش پیرایہ میں حق بجانب قرار دے سکتا ہے، اور اس کے جواز کے لئے دلائل و براہین کے انبار لگا سکتا ہے، مگر قلبِ انسانی کی بڑھتی ہوئی خلش شاہد ہے کہ ؏

خود غلط بود آنچہ یا پنداشتیم

انسانوں کا بنایا ہوا کوئی نظام طبقاتی اور نسلی احساسات سے مبرّا نہیں ہو سکتا، اس لئے وہ عالم انسانیت میں حقیقی مساوات قائم کرنے اور حیاتِ انسانی کی پیچ در پیچ گتھیوں کو حل کرنے سے قاصر ہے، اس کے مقابلہ میں اسلامی نظریۂ اجتماع خالق کون و مکان کا بنایا ہوا ہے، اس لئے اس میں کسی طبقہ یا گروہ کی رعایت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اور ہر طبقہ اور ہر نسل کے انسانوں کے لئے اس کی افادیت یکساں ہے کیونکہ اسلام میں انسانی وحدت کی بناء وحدتِ فکر پر ہے، اور اس ہمہ گیر قومیت میں علائق نسل و وطن اور عصبیاتی جذبات و احساسات کو قطعاً کوئی دخل نہیں، اس بنا پر یہ دعوی کہ ہر سلیم الفطرت انسان کے لئے قابلِ قبول ہوگا کہ اسلام کا سماجی نظام ہی نوعِ انسانی کو حقیقی معنوں میں حریتِ اجتماع، مجلسی اور معاشی مساوات سے بہرہ ور کر سکتا ہے،

اسلام میں انسان کے معاشی حقوق کا احترام

اسلام کا نظریۂ معیشت و تمدن حقوقِ انسانی کی جیسی نگہداشت کرتا ہے اس کی مثال دنیا کا اور کوئی نظام نہیں پیش کر سکتا یوں تو ہر سیاسی اور معاشی نظام حریت و مساوات کا دعویدار ہے مگر اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ آج تک کوئی انسانی نظام انسانیت کے دکھ کا علاج نہیں کر سکا، اور اس کا مرض برابر بڑھتا جاتا ہے، اور حریت و مساوات کے بڑے بڑے دعووں کے علی الرغم آج انسانیت پہلے سے کہیں زیادہ مضطرب نظر آتی ہے، دنیا کے کروڑہا انسان انتہائی محنت و مشقت اٹھانے کے باوجود نانِ شبینہ کے محتاج ہیں اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ موجودہ تمام نظریہ ہائے اجتماع میں ملوکیت و استبداد کی روح کارفرما ہے، اور اعلیٰ طبقوں

مین اب بھی حرصِ دولت اور سرمایہ پرستی کے جراثیم پرورش پا رہے ہین اور پس ماندہ طبقے اُن کے ہاتھون زندگی اور موت کی کشمکش مین مبتلا ہین،

ہنوز اندر جہان آدم غلام است　　نظامش خام و کارش ناتمام است

غلام فقرِ آن گیتی پناہم !!!　　کہ در دینش ملوکیت حرام است　　(اقبال)

مگر اسلام کے نظامِ معیشت و اجتماع کی بنیاد انسانیت مطلقہ کی فلاح و نجات ہے وہ ایک طرف اُمرا طبقون کی سرمایہ دارانہ ذہنیت اور ان کے سفاکانہ طریقون کی نہایت معتدل اور موثر طریقہ سے اصلاح کرتا ہے اور دوسری طرف طبقۂ غربا کو ذلت و محکومیت کی پستی سے اٹھا کر عزت و شرف کی بلندی تک لیجاتا ہے،

عرب مین عام عربون کا ایک ایسا گروہ موجود تھا جس کو اشرافِ عرب نے انسانیت کے بنیادی حقوق سے بھی محروم کر رکھا تھا، اور ان سے اسی طرح کا سلوک کیا جاتا تھا، جو آج تک ہندوستان کی اچھوت اقوام سے ہوتا ہے، یہ وہ گروہ تھا جسے غلام کے حقارت آمیز نام سے پکارا جاتا تھا، مگر دنیا جانتی ہے اکہ اسلام ہی نے سب سے پہلے اس انسانی تفرقی و امتیاز کے خلاف علم جہاد بلند کیا، اور اعلان کر دیا، کہ نسلی شرافت اور قبیلوی وجاہت کوئی چیز نہین، انسانون مین اگر کوئی چیز وجہ امتیاز بن سکتی ہے، تو وہ تقویٰ اور طہارت اور کردار کی بلندی ہے،

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَ
أُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ
لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ
أَتْقَاكُمْ

اے انسانون ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا، اور تم کو مختلف گروہون اور قبیلون مین اس لئے تقسیم کیا تاکہ تم ایک دوسرے سے پہچانے جاسکو ورنہ اللہ کے نزدیک معزز ترین اور شریف ترین وہ انسان جو تم مین سب سے زیادہ صاحبِ تقویٰ ہے،

(حجرات)

آقا اور غلام مین مجلسی اور معاشی مساوات پیدا کر دی گئی اور واضح الفاظ مین حکم دیا گیا، کہ یہ تمہارے غلام تمہارے دینی اور اسلامی بھائی ہین، اُن سے وہی سلوک کرو جو اپنے سگے بھائیون سے کرتے ہو،

عن المعرورؓ قال لقيت أبا ذرؓ بالربذة وعليه حلة وعلى غلامه حلة فسألته عن ذلك فقال إني ساببت رجلاً فعيرته بأمه فقال لي النبي صلى الله عليه وسلم يا أبا ذر أعيرته بأمه إنك امرؤ فيك جاهلية إخوانكم خولكم جعلهم الله تحت أيديكم فمن كان أخوه تحت يده فليطعمه مما يأكل وليلبسه مما يلبس، (بخاری)

معرورؓ کہتے ہین کہ مین ربذہ کے مقام پر ابوذرؓ سے ملا، وہ ایک حلہ پہنے ہوئے تھے، اور اُن کے غلام نے بھی اسی طرح کا حلہ پہن رکھا تھا، مین نے اُن سے اس بارہ مین سوال کیا، تو انھون نے جواب دیا، کہ ایک مرتبہ مین نے ایک کو گالی دی، اور اس کو اس کی مان کا طعنہ دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا، اے ابوذر تم نے اس کو اس کی مان کا طعنہ دیا ہے ؟ تم مین اب تک جاہلیت کی خو باقی ہے، یہ لوگ تمہارے خدمتگذار بھائی ہین، جن کو اللہ نے تمہارے قبضہ مین دیا ہے، جس شخص کے ماتحت اس کا بھائی ہو، اس کو وہی کھانا کھلائے جو خود کھاتا ہے اور وہی اس کو پہنائے جو خود پہنتا ہے،

یہ تو غلامون کی نسبت فرمایا گیا ہے، سرمایہ دار طبقون کے غرور و پندار کو مٹانے اور عام غربا کو ذلت و پستی سے اٹھا کر عزت و شرف کی بلندی پر لیجانے کے لئے یہ حیات بخش پیغام دیا :-

هل تنصرون وترزقون إلا　　اے طبقۂ امرا غریبون کے ذریعہ تمہین

بضعفاءکم، (بخاری) ہر قسم کی مدد اور خوراک ملتی ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مختصر مگر جامع فقرہ میں امیروں کے غرور و تمرد کی حقیقت ظاہر فرمائی یعنی تم کیا ہو، ہم تو مخلوقِ خدا کے لئے بوجھ بنے ہوئے ہو، تمھیں کمانا اور محنت کرنا نہیں آتا، البتہ کھانا آتا ہے سرمایہ و دولت جو تمھیں آبا و اجداد سے وراثت میں ملی ہے، یا تم نے خود مکر و فریب سے اکٹھی کر لی ہے، اس کے ذریعہ تم غریبوں پر حکومت کرتے ہو، اور گوشت و پوست کے بیکار مجسمے بنے ہو، تمھارا ہر سانس غریبوں کی جانفشانیوں کا رہینِ منت ہے، اس لئے تمھیں اُن کے حقوق کا پوری طرح احترام کرنا چاہئے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم کی عملی کوششوں سے ہر طرح کے طبقاتی امتیازات ختم ہو گئے، اور انسانوں میں حقیقی مساوات پیدا ہو گئی،

سرمایہ پرستی کی مذمت

اسلام نے دولت جمع کر کے اسے روک رکھنے کی شدید ممانعت کی ہے، اس قسم کی جمع دولت ہی تمام مفاسد اجتماعیہ کا سرچشمہ ہے، اور حرصِ دولت ہی سے خود غرضی اور حبِ نفس کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، جو انسانی سوسائٹی کے لئے سمِ قاتل ہے،

الذین یکنزون الذہب والفضۃ	جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور
ولا ینفقونہا فی سبیل اللہ فبشرہم	ان کو اللہ کے راستہ میں خرچ نہیں کرتے
بعذاب الیم	اے نبی! آپ اُن کو دردناک عذاب کی
(توبہ)	خبر دیں،

مسلمان کا مقصدِ حیات اتنا بلند ہے کہ دولت و زر اور جسمانی راحتوں کے ساز و سامان اس کی نظر میں ذرہ برابر بھی وقعت نہیں رکھتے، وہ مال و دولت فراہم کرتا ہے، مگر اس لئے نہیں کہ اس کے ذریعہ غریبوں پر جابرانہ تسلط قائم رکھے یا خود دولت کی پرستش کرے، اور دوسروں سے اپنی پرستش کرائے، کہ تری المال عند الباخلین معبدًا،

اس باب میں اسلام کا نقطۂ نظر بالکل الگ ہے، وہ حصولِ دولت کی اجازت اس لئے دیتا ہے کہ اس کے ذریعہ فرائضِ ملی اور احکامِ مذہبی انجام پائیں، غربا اور اہلِ حاجت کی حاجت براری ہو، اسی کے ساتھ صاحبِ دولت اپنی واجبی ضروریات بھی پوری کرے اور اپنی خودداری کو برقرار رکھ سکے، مگر اس کا دل حبِ دولت کی آلائشوں سے پاک ہو، اسلام ہر ایسی محبت کو انسان کے لئے مہلک تصور کرتا ہے،

زین للناس حب الشہوات من	لوگوں کو عورتوں، بیٹوں، سونے اور چاندی کے
النساء والبنین والقناطیر المقنطرۃ	ڈھیر، نشان زدہ گھوڑوں، چارپایوں
من الذہب والفضۃ والخیل	اور کھیتی کی محبت میں فریفتہ کیا
المسومۃ والانعام والحرث ذلک	گیا ہے، لیکن یہ صرف حیاتِ دنیوی
متاع الحیوۃ الدنیا،	کی متاع ہے،

خدائے قدوس نے دنیاوی علائق سے قلبِ مومن کو آزاد کر دیا ہے، اور اسے صرف خدا اور رسول کی محبت کا گہوارہ بنایا ہے، اس لئے وہ حقیقی محبت صرف اپنے معبود سے کرتا ہے، والدین، بیٹوں، بھائیوں، بیویوں، اموال و املاک اور سربفلک عمارات کی محبت قلبِ مومن میں گھر نہیں کر سکتی،

قل ان کان آباؤکم و	اے نبی آپ مسلمانوں سے کہہ دیں کہ
ابناؤکم واخوانکم وازواجکم و	اگر تمھارے والدین بیٹے بھائی، بیویاں،
عشیرتکم واموال اقترفتموہا و	رشتہ دار، اور وہ اموال جو تم نے حاصل
تجارۃ تخشون کسادہا ومساکن	کئے، اور وہ تجارت جس کے خسارہ کا
ترضونہا احب الیکم من اللہ ورسولہ	تمھیں اندیشہ رہتا ہے، اگر خدا رسول اور
وجہاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتی	جہاد سے زیادہ محبوب ہیں، تو تمھیں عذابِ الٰہی
اللہ بامرہ، (توبہ)	کا انتظار کرنا چاہئے،

اسلام میں دولت فی ذاتہ بری چیز نہیں، اور نہ اس کے حصول کی کوشش مذموم ہے، بلکہ جائز حدود کے اندر اس کی طلب وجستجو اور اس کی خاطر سعی وعمل کو مستحسن قرار دیا گیا ہے، چنانچہ قرآن کریم میں دولت ومال کو خیر اور فضل کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے،

مَا اَنفَقتُم مِن خَیرٍ فَلِلوَالِدَینِ وَالاَقرَبِینَ (بقرہ)	تم اپنی دولت سے جو خرچ کرنا چاہتے ہو تو اس کا بہترین مصرف والدین اور اقارب ہیں
وَابتَغُوا مِن فَضلِ اللّٰہِ وَاذکُرُوا اللّٰہَ کَثِیرًا (جمعہ)	تم اللہ کے فضل (مال) کی طلب میں نکل کھڑے ہو اور اللہ کا ذکر زیادہ کرو،

احادیث نبوی میں طلب حلال کو نہ صرف مستحسن بلکہ اُخروی درجات کا بھی ذریعہ قرار دیا گیا ہے،

الطیب الکسب عمل الرجل بیدہ وکل بیع مبرور (احمد فی مسندہ والطبرانی الکبیر والحاکم فی المستدرک)	پاکیزہ ترین کسب، انسان کا اپنے ہاتھ سے کام کرکے کمانا اور ہر ایسی تجارت ہے، جو دیانت سے انجام پائے
ان اللہ یحب العبد المحترف (الطبرانی فی الکبیر والبیہقی فی شعب الایمان)	اللہ تعالے محنت ومشقت کرنے والے بندوں کو پسند کرتا ہے،
من طلب الدنیا حلالاً استعفافاً عن المسئلۃ وسعیاً علی اھلہ وتعطفاً علی جارہ لقی اللہ یوم القیامۃ ووجھہ مثل القمر البدر (ابو نعیم فی الحلیۃ)	جو شخص سوال سے بچنے، اہل وعیال کی پرورش اور پڑوسی پر لطف وکرم کرنے کی غرض سے رزق حلال کے لئے سعی کرتا ہے، وہ قیامت کو اللہ تعالے سے اس حال میں ملے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا ہوگا،

اس کی وجہ یہ ہے کہ حصول دولت میں مسلم اور غیر مسلم کے نقطۂ نظر میں زمین وآسمان کا فرق ہے، غیر مسلم صرف اپنی ضرورتوں کی تکمیل اور خواہشات نفس کی تسکین کے لئے مال حاصل کرتا ہے، اور اس کے سوا کوئی دوسرا تصور اس کے ذہن میں نہیں ہوتا، مگر مسلمان کی زندگی کا ہر عمل ایک بلند نصب العین سے وابستہ ہے اس لئے مال کی جستجو کے لئے بھی اس کی محنت جہاد فی سبیل اللہ کا درجہ رکھتی ہے،

التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشھداء یوم القیامۃ (ابن ماجہ والحاکم)	سچے اور امین تاجروں کا حشر قیامت میں نبیوں، صدیقوں اور شہداء کے ساتھ ہوگا،

ترک دنیا اور ترک وسائل کے راہبانہ تصور کو اسلام سے کوئی نسبت نہیں، اس نے جد وعمل اور حرکت وسعی کو انسان کے لئے لازمی قرار دیا ہے، اور جمود وسکون اسلام میں بدترین جرم ہے، مگر اس کے باوجود مسلمان خدا اور اس کی محبت کے سوا کسی دوسری چیز کی محبت کو اپنے دل میں جگہ نہیں دیسکتا، اور اس کی زندگی کی ہر حرکت کا اصلی مرکز رضائے الٰہی ہے،

ان اصول کا حاصل یہ نکلا کہ اسلام کسی مسلمان فرد یا جماعت کو حصول دولت کو اصل مقصد بنانے کی اجازت نہیں دیتا کہ اس کے خزانے تو دولت وزر سے معمور ہوں اور دنیا کی کثیر آبادی غربت وافلاس میں بسر کرے، یا آمدنی کے تمام وسائل پر چند افراد کا تسلط ہو اور دوسرے لوگ اُن کی نازبرداریوں کے باوجود سوکھی روٹی کو بھی ترسیں، اسی کو موجودہ اصطلاح میں سرمایہ داری (Capitalism) اور اسلام میں اکتناز سے تعبیر کیا گیا ہے، اسلام نے اکتناز واحتکار کی سختی سے مخالفت کی ہے، کہ اس سے دولت کا اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے، دراصل دولت کا مفہوم ہی اس امر کا متقاضی ہے، کہ وہ کسی ایک جماعت میں محدود نہ رہے، بلکہ تمام انسانوں میں پھیلتی اور بٹتی رہے، کیلا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم، تاکہ دولت چند سرمایہ داروں ہی میں رُکی نہ رہے،

اکتناز واحتکار اکتناز کے معنی ہیں سونے اور چاندی کے خزانے جمع کرنا، مگر اس طرح کہ اُن سے حقوق خداوندی اور حقوق ملت ادا نہ کئے جائیں، اس تعریف کی بنا پر اکتناز ایسی صورت میں ہوگا جبکہ کوئی شخص جمع شدہ دولت سے مذکورہ حقوق ادا نہ کرے، لیکن جو شخص اس کو ادا کرتا ہے، اس کی دولت پر کنز کا اطلاق نہ ہوگا، اس سے ظاہر ہوا کہ اسلام میں نفس جمعِ دولت بری چیز نہیں، بلکہ اسے اس طرح روک رکھنا کہ اس کے حقوق ادا نہ کئے جائیں برا ہے

عن ابن عمر کلّ مالٍ اُدیت	جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے،
زکوتہ فلیس بکنز وان کان مدفوناً	وہ کنز نہیں ہوتا، اگرچہ وہ زمین
تحت الارض وکلّ مالٍ لاتودی	میں دفن کیا جائے، اور جس مال
زکوتہ فھو کنز وان کان ظاھراً	کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے وہ کنز ہے
(اخرجہ العقیلی)	اگرچہ وہ سامنے پڑا ہو،

اکتناز کی حرمت قرآنِ کریم کی نصِ قطعی سے ثابت ہے،

الذین یکنزون الذھب والفضۃ	جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں،
ولاینفقونھا فی سبیل اللہ	اور اُن کو اللہ کے راستہ میں خرچ
فبشرھم بعذابٍ الیم	نہیں کرتے، اُن کو ایک دردناک
(توبہ)	عذاب کی خبر کردو،

احتکار کے معنی ہیں اشیائے خورد و نوش کو نرخ کی گرانی کے انتظار میں روک رکھنا تاکہ اُن سے زیادہ منافع حاصل کیا جا سکے، لیکن احتکار کو اگر وسیع مضمون میں لیا جائے تو اس میں وہ مال دولت بھی شامل ہو سکتا ہے، جس کو اس خوف سے روکے رکھا جائے کہ اس سے غلہ کی بڑی مقدار خرید کرکے آگے گران نرخ پر فروخت کیا جائے، یا اس سے صنعتی کارخانوں اور دیگر وسائلِ معیشت پر تسلط حاصل

کی جائے، چنانچہ موطا امام مالک کی اس روایت میں احتکار کے یہی معنی لئے گئے ہیں،

عن مالکؒ ان عمر ابن الخطابؓ	ہمارے بازار میں کوئی احتکار نہ کرے
قال لاحکرۃ فی سوقنا لایعمد	جن لوگوں کے قبضہ میں ضرورت سے
رجال بایدیھم فضول من	زائد روپیہ ہے، وہ کسی غلہ کو جو ہمارے
اذھاب الی رزقٍ من ارزاق	ملک میں آئے، خرید کر اسے روک نہ دے
اللہ نزل بساحتنا فیحتکرونہٗ	یعنی احتکار نہ کرے،

(مؤطا امام مالک باب الحکرۃ والتربص)

غرض احتکار اور اکتناز اگرچہ نفس مفہوم کے اعتبار سے جدا ہیں، مگر منشاء کے لحاظ سے دونوں ایک ہیں اور سرمایہ داری (کیپٹل ازم) کی اصطلاح دونوں کو شامل ہے، احتکار کی ممانعت میں متعدد احادیث وآثار وارد ہیں

عن عمرؓ الجالب مرزوق والمحتکر	غلہ کو بیچنے کی غرض سے باہر لیجانے والا
ملعونٌ،	مرزوق ہے، اور احتکار کرنے والا
(اخرجہ ابن ماجہ)	ملعون ہے،
عن ابی ھریرۃؓ یحشر الحکارون	احتکار کرنے والوں اور انسانوں کو
وقتلۃ الانفس الی جھنم فی درجۃ	قتل کرنے والوں کو جہنم کے ایک ہی درجہ
(اخرجہ ابن عساکر وابن علی فی الکامل)	میں جمع کیا جائے گا،

ان حقائق سے ظاہر ہے کہ اسلام کی روح سرمایہ داری کے سخت خلاف ہے، اور اسلام کا منشا یہ ہے کہ دولت کسی ایک گروہ میں مقید ہو کر نہ رہ جائے، بلکہ عام انسانوں میں پھیلتی اور چکر کاٹتی رہے، اسلام کے تمام معاشی قوانین میں اس امر کو ملحوظ رکھا گیا ہے چنانچہ قانون وراثت، زکوٰۃ، عام صدقہ وخیرات کے احکام سود اور احتکار واکتناز کی تحریم وغیرہ سب میں ایک ہی روح کارفرما ہے اور ان قوانین پر عمل کرنے سے انسانی سوسائٹی میں بتدریج ہمہ گیر معاشی مساوات بروئے کار آسکتی ہے، مگر ان میں اور سوشلزم کے اصول میں بڑا بنیادی

فرق ہے، اسلام کی راہ عمل ہین انسانی فطرت پر مبنی ہے، وہ سوشلزم کی طرح انسان کو اس کے حقوقِ ملکیت سے محروم نہین کرتا، کہ اس سے انسان کے جذبۂ سعی و عمل کو سخت نقصان پہنچتا ہے جس سے انسانی سوسائٹی مین اختلال و فساد پیدا ہونے کا اندیشہ ہے،

تحریم سود کی اصل وجہ سودی کاروبار موجودہ اقتصادیات کا ایک ضروری حصہ ہے، اور اس کو دولت کا سرچشمہ تصور کیا جاتا ہے، اور آج دنیا کے اکثر مہذب ممالک مین وسیع پیمانہ پر سودی کاروبار چل رہا ہے، اور موجودہ حکومتی نظام مین کوئی ایسا قانون نہین، جو سودی لین دین کو ممنوع قرار دیتا ہو، بلکہ ہر مہذب حکومت اس کاروبار کی حوصلہ افزائی کرتی ہے، اور اپنے حدودِ مملکت مین اس کو مختلف طریقون سے وسعت دی رہی ہے، حالانکہ سود اس ظالمانہ عہد کی یادگار ہے، جب کہ انسانیت، تہذیب و تمدن، علم و حکمت اور جمہوریت و مساوات کی روشنی سے محروم اور جہالت اور ملوکیت و استبداد کی تاریکی مین مبتلا تھی، لیکن حیرت ہے کہ آج بھی جب کہ دنیا کے ہر ملک مین حریت و مساوات کے روح پرور نغمے گونج رہے ہین، یہ لعنت بدستور بڑھتی ہی چلی جارہی ہے،

سود کا لین دین، خود غرضی، انسان کشی، اور انتہائی سفاکی کی ایک معاملاتی شکل ہے، اس لئے اسلام نے اس کی حرمت قطعی کا حکم دیا ہے، اور اخلاق و دیانت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ انسان دوسرے کی عسرت و تنگدستی کی حالت مین اوس کی بے لوث اور بے غرضانہ خدمت کرنے سے قاصر ہے، تو کم از کم اوس کی مجبوریون سے ناجائز فائدہ تو نہ اٹھائے، کوئی شخص بھی انتہائی مجبوری کے بغیر سودی قرض لینا پسند نہین کرتا، اس حالت مین شرافت و اخلاق کا تقاضا یہی ہے، کہ ایسے شخص کے بوجھ کو ہر ممکن طریق سے ہلکا کرنے مین اوس کی امداد کی جائے، نہ کو اسے اور زیادہ زیر بار کر دیا جائے

اسلام نے ایسی حالت مین قرض حسن کے ذریعہ حاجت مند کی امداد کرنے کی ہدایت کی ہے، اور قرض حسن سے مراد یہ ہے کہ قرض دینے والے کا مقصد غریب بھائی کی امداد، اور رضاے الٰہی کے سوا اور کچھ نہ ہو، پھر اس قرض کے وصول کرنے مین بھی مقروض کی سہولت کا پورا لحاظ رکھا ہے کہ اس پر

کسی قسم کا دباؤ نہ ڈالا جائے، قرض دینے والا اگر اپنا واجب الوصول قرض معاف کردے تو یہ اس کے اُخروی درجات کا باعث ہوگا،

وَاِنْ كَانَ ذُوْعُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ	اگر وہ شخص تنگدست ہو تو ایک مدت
اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ	تک اُسے مہلت دیجائے، اور بالکل
لَّكُمْ (سورہ بقر)	معاف کردینا تمھارے لئے زیادہ بہتر ہو

امداد کی دوسری صورت یہ ہے کہ مصیبت زدہ شخص کی کوئی چیز بطور رہن رکھ کر اسے حسب ضرورت رقم دیدیجائے، یہ بھی دراصل قرض حسن ہی کا دوسرا درجہ ہے، اس مین بھی قرض دینے والے کو مرہونہ چیز سے نفع اٹھانے کی اجازت نہین، دراصل یہ بھی سود ہی کی ایک قسم ہے،

اس بنا پر قرآن حکیم نے نہایت شدت سے حرمتِ سود کا حکم دیا ہے،

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ	اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور بقایا
ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ	سودی روپیہ بالکل چھوڑ دو، اگر تم سچے
فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ	مومن ہو، اور اگر تم ایسا نہین کرنا چاہتے
مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ	تو خدا اور اوس کے رسول کے ساتھ جنگ
فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ	کرنے کے لئے تیار ہوجاؤ، اور اگر تم توبہ
وَلَا تُظْلَمُوْنَ،	کرتے ہو، تو تمھارے واسطے تمھارا اصل
(بقرہ)	مال ہے، نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ کوئی تم پر ظلم کرے

عام لوگون کی نظر محسوسات سے آگے حقائق تک نہین پہنچ سکتی، اس لئے ہر چیز کے ظاہری حسن و قبح یا سود و زیان پر ہی اُن کی نگاہین جمی رہتی ہین، اور وہ غیر محسوس فوائد کا اندازہ نہین کرسکتے، اسی لئے قرآن حکیم نے سود اور زکوٰۃ کا ان الفاظ مین موازنہ کیا ہے،

وَمَاۤ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَا فِیْۤ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَاۤ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ

(روم)

تم جو اس غرض سے سودی قرض دیتے ہو کہ وہ لوگون کے اموال مین بڑھے، تو وہ اللہ کے نزدیک بڑھتا نہین، اور جو تم رضائے الٰہی کے حصول کے لئے زکواۃ دیتے ہو تو اس سے دولت مین کئی گنا اضافہ ہوتا ہے،

جو لوگ محض سطحی نظر سے اشیا کو دیکھتے ہین، اُن کے نزدیک پہلی صورت مین دولت بڑھتی ہے اور دوسری مین گھٹتی ہے مگر خدا کے نزدیک ایسا نہیں، اس کی نظر ہر چیز کے انجام اور نتائج پر ہے، اسی لئے اسلام کا معاشی نظام اخلاقی اور انسانی حدود و اقدار مین جکڑا ہوا ہے، اور کوئی ایسا کاروبار جس مین سود، احتکار، رشوت یا کسی دوسرے امر ممنوع کا شائبہ بھی موجود ہو، اسلام کی نظر مین حرام ہے اور مسلمانون کو بار بار حکم دیا گیا ہے، کہ وہ معیشت کی راہ مین پورے احتیاط سے کام لین اور کبھی ان کی محنت کے حاصل مین حرام کی آمیزش نہ ہونے پائے، ورنہ سب کیا کرایا اکارت ہو کر رہ جائے گا،

وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ

(بقرہ)

ناپاک مال کے حصول کا قصد نہ کرو کہ اس سے اللہ کے راستہ مین خرچ کرو،

عن عمرؓ قال اِنَّ آخر ما نزل من القرآن آیۃ الربا، وان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبض ولم یفسرھا لنا فدعوا الربا والریبۃ (ابن شیبہ، مسند احمد وابن ماجہ وابن جریر وابن المنذر والبیہقی)

قرآن کریم کی آیات مین سب سے آخر مین آیت ربا نازل ہوئی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے، اور آپ نے ہم سے اُس کی تفسیر بیان نہین فرمائی، پس یقین ہر قسم کی ربا، اور اسکے شبہ سے بچنا چاہیے

عن الشعبی قال قال عمرؓ ترکنا

حضرت عمرؓ نے فرمایا ہم نے ربا کے خوف سے

تسعۃ اعشار الحلال مخافۃ الربا[1]

حلال کے نو حصے بھی چھوڑ دیئے ہین،

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اسلام کا معاشی نظریہ کتنا بلند ہے، وہ کسی انسان کی معمولی سے معمولی حق تلفی کو بھی برداشت نہین کرتا، اور انسانی معاشات کو ایک خاص ربط و انضباط (Regulation) کے تحت چلانا چاہتا ہے تاکہ کوئی شخص اپنے سرمایہ کے زور سے دوسرون پر مشق ستم نہ کر سکے، اور کسی کو غریب انسانون کا خون چوسنے کا موقع ہی نہ مل سکے،

زکوٰۃ کی حکمت، | عام لوگون کی نظر مین اشیا کی کثرت اور قلت کا دار و مدار مقدار حجم یا تعداد پر ہے مگر اسلام کے نزدیک ہر چیز کی کثرت اور قلت ایک غیر مرئی حقیقت سے تعلق رکھتی ہے، اگر تھوڑی چیز مین بھی معنوی عظمت موجود ہے، تو وہ خدا کی نظر مین کثیر ہے، لیکن جو چیز لوگون کی نظر مین بظاہر بہت بڑی معلوم ہوتی ہے، مگر وہ معنوی عظمت سے محروم ہے، تو وہ خدا کے نزدیک قلیل ہے اور یہ چیز صرف تصورات ہی تک محدود نہین، بلکہ حقائق و واقعات کی دنیا مین بھی اس کا تجربہ کیا جا چکا ہے، جس طرح پاکباز صالح اور منظم انسانی جماعت انتہائی قلت کے باوجود دنیا کی بڑی سے بڑی اکثریت پر غالب آسکتی ہے، اور اس کی عددی اقلیت اکثریت کا حکم رکھتی ہے، اسی طرح وہ صالح اور پاک مال جو نیک اور جائز ذرائع سے حاصل کیا گیا ہو، اگرچہ بظاہر کم ہو، مگر وہ اس دولت کے انبار سے ہزار درجہ بہتر ہے، جو غریبون کا خون چوس چوس کر اکٹھی کی گئی ہو،

لَا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِیْثِ

(مائدہ ۱۳)

ناپاک اور پاک مال برابر نہین ہو سکتے، اگرچہ ناپاک کی کثرت کتنی ہی بھلی معلوم ہو رہی ہو،

جو غلہ غریب کسانون کے گاڑھے پسینہ کی کمائی سے سمیٹا جاتا ہے، جو دولت ہزارہا انسانون کے وسائل معیشت پر غاصبانہ قبضہ اور بے کس مزدورون پر ظلم سے جمع کی جاتی ہے، جو تاج کروڑون

[1] عبدالرزاق فی الجامع،

انسانوں کے خونِ ناحق کے بدلے میں حاصل کیا جاتا ہے، اور جو تخت بے گناہ مخلوق کی گردنوں اور نعشوں پر بچھایا جاتا ہے، اس سے وہ قوت لایموت اور مردِ مومن کی گلیم کہنہ بہتر ہے، جو حلال اور پاک طریقوں سے حاصل ہوتی ہو۔

وہ قبا جس پہ ہوں دہقان کے لہو کے چھینٹے
اس سے بہتر ہے کسی مردِ قلندر کی گلیم

یہی وہ مقدس جذبہ ہے جو مسلمانوں کے ہاتھ کو خونِ ناحق سے رنگین نہیں ہونے دیتا، اور اسی جذبہ کی تقویت کے لئے قرآنِ حکیم نے زکوٰۃ کا حکم دیا ہے، جو شخص اپنی ضروریاتِ زندگی سے بچا کر چالیس روپیہ جمع کرتا ہے، اس کو سال میں ایک مرتبہ ایک روپیہ مد زکوٰۃ میں دینا ضروری قرار دیا گیا ہے، اسی طرح اگر وہ دس کروڑ روپیہ کا مالک بنجاتا ہے، تو سال میں اسے قریباً ڈھائی لاکھ روپیہ دینا پڑتا ہے، جس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوتا ہے، کہ حبِ دولت کا وہ منحوس جذبہ جو نظام سرمایہ داری (کیپٹل ازم) کا محرک ہے، اور جس سے ہزارہا مفاسد اجتماعیہ رونما ہوتے ہیں، آہستہ آہستہ ختم ہو کر رہ جاتا ہے،

حبِ دولت را فنا سازد زکوٰۃ   ہم مساوات آشنا سازد زکوٰۃ
دل ز حتی تنفقوا محکم کند   زر فزاید الفت زر کم کند (اقبال)

قرآنِ حکیم نے کس شانِ بلاغت سے اس مضمون کو ادا کیا ہے،

یمحق اللہ الربا و یربی الصدقات (بقرہ)

اللہ تعالیٰ سود کو گھٹاتا ہے اور صدقہ و خیرات کو بڑھاتا ہے

....

انسان کی فہم ناقص بہت سی چیزوں کو سمجھنے سے قاصر ہے اگر خداوند تعالیٰ اپنے حکیمانہ احکام

کے ذریعہ انسانوں کو فکر و عمل کے بلند ترین مقام پر لیجانا چاہتا ہے، انسان انتہا درجہ کا حریص اور خود غرض واقع ہوا ہے، وہ جمع دولت ہی کو اپنے لئے ذریعۂ نجات تصور کرتا ہے، حالانکہ حقیقی نجات وہ ہے جو پوری سوسائٹی کی خوشحالی اور انسانی مساواتِ عامہ سے حاصل ہوتی ہے، اور سوسائٹی کی خوشحالی اس وقت تک وجود میں نہیں آسکتی، جب تک کہ اس کے ہر فرد میں ہمدردی و مساوات اور ایثار کا جذبہ نہ پایا جائے،

اپنی دولت کا ایک حصہ جماعت کے پس ماندہ افراد میں تقسیم کرنے سے کوئی انسان مفلس نہیں ہوجاتا، بلکہ اس سودے میں فائدہ ہی فائدہ ہے، اسی نکتہ کی جانب قرآن کریم نے ایک لطیف اشارہ کیا ہے،

وما اتیتم من زکوٰۃ تریدون وجہ اللہ فاولئک ھم المضعفون (روم)

تم جو رضائے الٰہی کے حصول کے لئے زکوٰۃ دیتے ہو، تو اس سے تمہارے مال میں کئی گنا اضافہ ہوتا ہے،

سورۂ بقرہ میں حکم انفاق کے بعد ارشاد ہوتا ہے،

الشیطان یعدکم الفقر و یامرکم بالفحشآء واللہ یعدکم مغفرۃ منہ وفضلا واللہ واسع علیم (بقرہ - ۳۷)

شیطان تمہیں فقر و احتیاج کی راہ دکھاتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ تم سے مغفرت اور رزقِ حلال کا وعدہ کرتا ہے، اور اللہ کا علم وسیع ہے،

اس آیت میں عدم انفاق کو فقر اور مال کو فضل سے تعبیر کیا گیا ہے اور نہایت لطیف پیرایہ میں اس نکتہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، مگر چونکہ اس کے فہم کے لئے خداداد علم و حکمت کی ضرورت ہے، اس لئے اس کے بعد ہی ارشاد ہوتا ہے،

یوتی الحکمۃ من یشاء ومن

خداوند تعالیٰ جسے چاہتا ہے، علم و حکمت

يؤتي الحكمة فقد اوتي خيرا كثيرا وما يذكر الا اولوا الالباب (بقرہ ۷) — عطا فرماتا ہے، اور جس کو حکمت دی گئی اُسے تو بڑا خیر کثیر ہاتھ آگیا، اور نصیحت تو عقلمند لوگ ہی حاصل کرتے ہین،

متعدد احادیث و آثار مین بھی اس حقیقتِ باہرہ کا اظہار کیا گیا ہے،

عن ابن عمرؓ ان الصدقة لا تزيد المال الا كثرة (ابن عدی فی الکامل) — صدقہ مال مین کثرت اور برکت پیدا کرتا ہے،

عن بریدة ما منع قوم الزكوة الا ابتلاهم الله بالسنين (اخرجه الطبرانی فی الاوسط) — جس قوم نے زکوٰۃ روک لی، اللہ تعالیٰ اس کو قحط سالی مین مبتلا کرتا ہے،

زکوٰۃ ایک اجتماعی فریضہ ہے، اور قرآن حکیم نے بار بار اس کی تاکید کی ہے، جہان نماز کا ذکر آیا ہے وہان زکوٰۃ کے حکم کو بھی بلا فصل ذکر کیا گیا ہے، اس کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ نماز شریعت حقہ کا ایسا رکن ہے، جو کفر اور اسلام مین فارق علامت ہے، قرآن حکیم کو شروع سے آخر تک پڑھ جایئے ہر جگہ نماز اور زکوٰۃ کو ساتھ ساتھ ذکر کیا گیا ہے، اور اسلامی برادری کی رکنیت و عضویت کے لئے نماز کی طرح زکوٰۃ کو بھی شرط قرار دیا گیا ہے،

فان تابوا و اقاموا الصلوة و اتوا الزكوة فاخوانكم في الدين، (توبہ) — پس اگر وہ توبہ کرین اور نماز قائم کرین اور زکوٰۃ دین تو وہ تمھارے دینی بھائی ہین،

حضرت ابوبکرؓ نے فتنۂ ارتداد اور مانعین زکوٰۃ کے مقابلہ مین جو طرز عمل اختیار کیا تھا وہ اسی اصل پر مبنی تھا،

واللہ لاقاتلن من فرق بین الصلوۃ والزکوۃ، (بخاری) — خدا کی قسم جو شخص نماز اور زکوٰۃ مین فرق کرے گا اس سے مین جنگ کرون گا

اس کی تفصیل تو کسی دوسرے موقع پر آئے گی، یہان صرف اتنا بتانا مقصود ہے کہ اسلام نے انسانی معیشت کے جو زرین اصول بنائے ہین، وہ انسانون کو حریتِ اجتماع اور امن و مساوات کی برکات سے مالا مال کرنے کے لئے بالکل کافی ہین، ایک طرف اوس نے سرمایہ دار طبقون کے ظالمانہ تسلط سے غریب انسانون کو رہائی دلانے کی غرض سے سود اور اس قسم کے تمام ذرائع کا سدباب کیا ہے، اور دوسری طرف غربا کی امداد و اعانت اور مساوات عامہ کے لئے زکوٰۃ اور تقسیم دولت کے دوسرے ذرائع اختیار کئے ہین، یہ ظاہر ہے کہ آج دنیا مین جس قدر اجتماعی مفاسد پائے جاتے ہین، ان کی سب سے بڑی وجہ حُبِ دولت اور جذبۂ سرمایہ داری ہے، یہی وہ تخمِ خبیث ہے، جس سے خود غرضی، حُبِ نفس، جذبۂ نفرت اور انسان کشی کی شاخین پھوٹتی ہین اور اسی مذموم جذبہ نے تقسیم دولت کے قدرتی اصولون کو ناممکن العمل بنا دیا ہے، اور آج دنیا کے ہر گوشے مین سرمایہ دار اور مزدور مین خطرناک طبقاتی کشمکش جاری ہے،

سوشلزم اور کمیونزم کے بھیانک نظریے اسی مکروہ جذبہ کا ردِ عمل (ری ایکشن) ہین، مگر اسلام نے دنیا کو جس معاشی نظام کی دعوت دی ہے، وہ تقسیم دولت کے قدرتی اصولون پر مبنی ہے اور اس مین کسی قسم کی طبقاتی جنگ کا خطرہ نہین، حکومتِ اسلامی کا شعبۂ مالیات ہر طبقہ کی تسکین کے لئے ایک ایسا لائحہ عمل رکھتا ہے جس سے کسی انسان کو شکایت کا موقع ہی نہین مل سکتا،

اشرف علی فغان

از

جناب سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب (علیگ)

(۳)

فغان کے قطعات فغان نے کثرت سے قطعات بھی لکھے ہین، عام طور سے قطعہ مین کوئی حکیمانہ خیال یا اخلاقی سبق ہوتا ہے، لیکن شعراے متقدمین و متوسطین نے بعض قطعون مین کسی مرکب خیال کو ظاہر کیا ہے اور رنگ تغزل ہی کا قائم رکھا ہے، اس لئے یہ قطعات گویا مسلسل غزلون کا مجموعہ ہی ہو گئے ہین، فغان کے قطعات بھی اسی رنگ کے ہین، اُن کے قطعات مین حکمت و اخلاق کے مسائل اور پند و نصائح کے مضامین نہین، بلکہ عاشق کی ناکامی، بے چارگی اور معشوق کی بے دردی، لاپروائی اور بے اعتنائی کی داستان ہے لیکن اُن مین بعض ایسی سچی تصویرین ہین کہ معلوم ہوتا ہے، یہ فغان کے خود قلبی تاثرات اور ذاتی واردات ہین، ایک عاشق کی زبون حالی ملاحظہ ہو،

وقتِ بہار مجھ دلِ شیدا کا اے فغان — یہ تھا شعار دشت کو ہر سال دیکھنا
اس سال مجھ کو دیکھ غزالان نے یون کہا — منظور گر ہے قیس کا احوال دیکھنا
جا دیکھ آج دشت مین ماتم نشین ہے بید — مجنون کی خاک پر وہ کھلے بال دیکھنا

شبِ فرقت کی جانگدازی دیکھئے،

سو گئے شبِ فراق مین آرام سے فغان — یہ ہر خیال محض وہ بیدار ہی رہا

کافر ہو گر پلک سے لگی ہو کبھی پلک — یکتا ہوا سدا در و دیوار ہی رہا

اسی خیال کو ایک دوسرے قطعہ مین اس طرح باندھا ہے،

سونا شبِ فراق مین آرام سے فغان — یہ تو کسی کی چشم سے اب تک نہ ہو سکا
تو نے جو رات خواب مین دیکھا تھا یار کو — کیونکر پڑی تھی نیند تجھے کیونکہ سو سکا

بعض جگہ یہی مضامین کس قدر سوز و غم کی ہو بہو تصویرین گئے ہین،

کیا پوچھتے ہو حال فغان کا سنا نہین — خانہ خراب عشق نے دنیا سے کھو دیا
اس کی وصال و ہجر مین یون ہی گذر گئی — دیکھا تو ہنس دیا جو نہ دیکھا تو رو دیا

پھر اس قطعہ مین معشوق کی جفا اور عاشق کے حسرت و یاس کا کیسا موثر بیان ہے،

تنہا اگر مین یار کو پاؤن تو یون کہون — انصاف کو نہ چھوڑ مروت اگر گئی
آخر فغان وہی ہے اسے کیون بھلا دیا — وہ کیا ہوئی تپاک وہ الفت کدھر گئی
مجھ سے جو پوچھتے ہو تو ہر حال شکر ہے — یون بھی گذر گئی مری وون بھی گذر گئی

ایک جگہ دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ بھی کھینچا ہے،

خونِ دلِ غریب کو پیتا ہون ہر سحر — لختِ جگر تو آذوقۂ شام ہو گیا
اپنی کہو اے ہم سفرانِ رہِ عدم — میرا تو ہر طرح سے سرانجام ہو گیا
کیون کر شفا نہ ہو دلِ بیمار کو فغان — یہ اشک چشم روغنِ بادام ہو گیا

ایک جگہ صوفیانہ مضمون بھی ہے، مثلاً

ایک دن شیخ و برہمن سے فغان کہتا تھا — کعبہ و دیر کی تم کرتے ہو تکرار عبث
خوب دیکھا تو میرے رشتۂ الفت کے حضور — تیری تسبیح غلط ہے تیرا زنار عبث

ایک جگہ کچھ رندانہ مستیان بھی ہین،

ہے واسطے ساقی نہ میں اب چشم تر آیا	دل دیکھتے ہی ابر کو ناچار بھر آیا
مت ڈھونڈ گزک کو اری مخوار ادھر دیکھ	اے لے تیری خاطر میں لخت جگر آیا
زاہد کے تئین دیکھ کے کہتا ہوں حرم میں	عیسیٰ کو فلک بھیج دو کعبہ میں خر آیا
حیران و پریشان و دل افگار و قبا چاک	سنتے تھے فغان کو سو وہ آج ہی نظر آیا

رباعیات فغان کی رباعیات میں بھی وہی عاشقانہ مضامین ہیں، جو ان کے جذبات کی پختگی اور قادر الکلامی کی واضح مثالیں ہیں، ان میں سے ایک دو ملاحظہ ہوں،

ہم وہ نہیں جو وصل میں سوتے رہتے	مژگان میں دُر اشک پروتے رہتے
ہے خندۂ یار کیا ہے گریہ میں مزا	ہنستا رہتا تو ہم بھی روتے رہتے

اے دل آرام تجھ کو ہونا معلوم	دردِ شب ہجر جی سے کھونا معلوم
اس چشم سے خواب کی توقع مت رکھ	رونا تو نصیب میں ہے سونا معلوم

فغان اور ان کے معاصرین اوپر کی سطروں میں ہم نے فغان کی شاعری کی توصیف اس لئے نہیں کی کہ ہم کو ان کا دیوان ناظرین کے سامنے پیش کرنا ہے، بلکہ یہ محض اُن کے کمال کا اعتراف ہے، جس کی داد فغان کے معاصرین اور بعد کے ناقدین نے دل کھول کر دی ہے، میر سے خراج تحسین حاصل کرنا کوئی معمولی بات نہ تھی، یقین جیسے باکمال شاعر کے بارے میں میر لکھتے ہیں،

"بعد از ملاقات این قدر خود معلوم شد کہ ذائقہ شعر فہمی مطلق نہ دارد،......جمع بر این اتفاق دارند، کہ شاعری او خالی از نقص نیست"[1]

لیکن فغان کے ذکر میں رقمطراز ہیں کہ

"بسیار جوان قابل ہنگامہ آرا شعر ریختہ را بخوبی می گوید گاہے فکر غزل فارسی ہم می کند"

فغان کے مندرجہ ذیل دو شعر میر صاحب کو بہت پسند آئے ہیں،

[1] نکات الشعراء ص ۵۳ ایضاً ۶۰

ساقی نہیں یہاں آپ کچھ چشم تر آیا	دل دیکھتے ہی ابر کے ناچار بھر آیا
آوارہ و پریشان و شکستہ دل بدنام	سنتے تھے فغان جس کو آج ہی نظر آیا[1]

میر کا فغان کو پسند کرنا ایک لحاظ سے فطری تھا کیونکہ بعض جگہ ظاہری اور معنوی حیثیت سے فغان کا کلام میر سے بالکل ملتا جلتا ہے، مثلاً

رونا جہان تلک تھا میری جان رو چکا	مطلق نہیں ہے چشم میں نم کا اثر کہیں
یا در اگر تجھے نہیں آتا تو دیکھ لے	آنسو کہیں ڈھلک گئے لخت جگر کہیں

بہار آئی میری پاؤں میں پھر زنجیر پڑتی ہے	مبارک ہو جنوں گھر کو تیرے آباد کرتا ہوں
لب خندان کو میری دیکھ کیا شاداں کوئی ہوئے	میں ہنس ہنس غم گل کی روش برباد کرتا ہوں

کیا پوچھتے ہو حال فغان کا سنا نہیں	خانہ خراب عشق نے دنیا سے کھو دیا
اس کو وصال و ہجر میں یوں ہی گذر گئی	دیکھا تو ہنس دیا جو نہ دیکھا تو رو دیا

عالم کو بحر خون میں یہ قاتل ڈبو سکا	لیکن میرے لہو کو نہ دامن سے دھو سکا
پہنچا گئے مجھے تیرے در تک یہ سیل اشک	اتنا تو ہو سکا کہ میری جان رو سکا

مندرجۂ بالا اشعار میں میر کی زبان اور سوز و گداز کا کتنا صحیح مرقع ہے،

مرزا سودا بھی فغان کے بہت ہی معتقد تھے، مجموعہ نغز میں ہے، کہ

"مرزا محمد رفیع سودا بسیار ستایش دیوانش کرد"

فغان نے اپنے سے سودا کی عقیدتمندی کا اعتراف خود کیا ہے،

[1] نکات الشعراء صفحہ بیش نظر دیوان میں یہ دو شعر اس طرح درج ہیں:

ہے واسطے ساقی نہ میں آپ چشم تر آیا	دل دیکھتے ہی ابر کو ناچار بھر آیا
حیران و پریشان و دل افگار و قبا چاک	سنتے تھے فغان کو سو وہ آج ہی نظر آیا

فغاں کون اب خریدارِ سخن تھا
اگر یہ حضرتِ سودا نہ ہوتا

سودا نے اپنے جوش عقیدت مین فغاں کے قطعات پر قطعات لکھے، اور ایک ایک شعر پر جواب میں قطعات لکھے ہین، مثلاً فغاں کے ایک قطعہ کا ایک شعر ہے،

شکوہ تو کیوں کرے ہے مرے اشکِ سرخ کا
تیری کب آستین مرے لوہو سے بھر گئی

اس پر سودا نے جو قطعہ لکھا ہے وہ گو ذرا طویل ہے، لیکن دلچسپ ہے، اس لئے ہدیۂ ناظرین ہے،

سودا فغاں کو خط یہ لکھا اس کے یار نے
جس وقت اس کے حال کی اس کو خبر گئی

سن اے فغاں جہان مین عاشق جو ہو گیا
معشوق سے اسے روش اس کی گذر گئی

شیرین نے جور کب نہ کیا کوہکن کے ساتھ
مجنون پہ کیا جفا تھا کہ لیلیٰ نہ کر گئی

کل ہی پڑے سسکتے تھے بلبل چمن کے بیچ
ذرہ نہ اس کے حال پہ گل کی نظر گئی

پروانہ رات شمع سے اتنی جلی کہ صبح
خاکستر ان کی لیکے صبا دوش پر گئی

یہ تازہ کچھ کیا ہے، کہ بدنامی کو مرے
آوازہ آہ و نالہ ترے گھر بہ گھر گئی

حرمت رکھی نہ رعد کی فریاد نے تری
رونے سے تیرے آبروے ابر تر گئی

لوہو سے تیرے سرخ ہے دیوار گھر کی سرخ
آنکھوں سے موج خون کی بیرون در گئی

دل کو ترے نہین ہے اگر تاب دردِ ہجر
تو کار عشق سے تو مرے لال کر گئی

القصہ خط کو پڑھکے یہ اس نے کہا کہ خیر
تیرے ہی دل کی مہر نہ جانوں کدھر گئی

شیرین کی ایک مین نہ رکھوں ورنہ بارہا
لیلےٰ جدھر تھی وادی مجنوں ادھر گئی

یان تک تو گھٹ مین لیلی کے مجنوں سما گیا
اس اتحاد سے انھین باہم بسر گئی

جاری ہوا تھا خون رگِ مجنوں سے وقت فصد
لیلےٰ کے پوست بال اگر نیشتر گئی

عالم کرو در گل کا گریبان ہوا ہے چاک
اک عندلیب گر اجل اپنے سے مر گئی

پروانہ کون ساتھ جلا شام کو شمع
رو تی ہوئی نہ بزم سے وقتِ سحر گئی

یہ گفتگو تو قطعِ نظر اس سے مجکو کیا
مجھ سے جفاے ہجر کی طاقت کدھر گئی

میرے لہو سے میری دیوار گھر کی سرخ
میری ہی موج خون میری بیرون در گئی

شکوہ تو کیوں کرے ہے مرے اشک سرخ کا
تیری کب آستین مرے لوہو سے بھر گئی

فغاں کا ایک دوسرا قطعہ ہے،

سونا شبِ فراق مین آرام سے فغاں
یہ تو کسی کی چشم سے اب تک نہ ہو،

تو نے جو رات خواب مین دیکھا تھا یار کو
کیونکر پڑی تھی نیند تجھے کیونکر سو سکا

اسی کی تقلید مین سودا نے بھی ایک قطعہ لکھا ہے،

اے دیدہ خانماں تو ہمارا ڈبو سکا
لیکن غبار یار کے دل سے نہ دھو سکا

تجھ حسن نے دیا نہ کبھی دل کو چین،
فتنہ نہ تیرے دور مین بھر نیند سو سکا

جون شمع تن ہوا شبِ ہجران مین صرف اشک
پر جس قدر مین چاہے تھا آنسو نہ رو سکا

سودا قمار عشق مین شیرین سے کوہکن
بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا

کس منہ سے پھر تو آپ کو کہتا ہے عشق باز
اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

فغاں کی ایک غزل کا مطلع یہ ہے،

خط دیجیو چھپا کے ملے وہ اگر کہین
لیتا نہ میرے نام کو اے نامہ بر کہین

اس پر بھی سودا نے ایک قطعہ لکھا ہے،

نامہ لکھا تھا یار کو مین یہ سمجھ کے ہے
عالم مین ہیچ نامہ و پیغام بر کہین

لیکن سواے بندگی و عجز و انکسار
نکتہ ہوا اس مین حرفِ تمنا سے گر کہین

وان لاکے مجھ کو ماریئے گردن کہ جس جگہ ۔۔۔ پانی کے قطرے کا بھی نہووے اثر کہین

ورنہ خدا کے واسطے انصاف تو کرو ۔۔۔ آتا ہے ایلچی پہ زوال اس قدر کہین

اڑتا پھرے ہے نامہ گلی مین کسی طرف ۔۔۔ دھڑ سے جدا پڑا ہے سر نامہ بر کہین

وقتیکہ دلبران جہان کا ہو یہ سلوک ۔۔۔ پھر دل کو دو دن کہو تو کس امید پر کہین

کہین کہین تو سودا کے بعض اشعار فغان سے بالکل ملتے جلتے ہین، ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ دونون نے ایک ہی جذبات سے متاثر ہو کر کہا ہے، بات یہ تھی کہ سودا کو فغان کے ساتھ غیر معمولی شیفتگی تھی اکثر ان کے اشعار مزے لے لے کر پڑھا کرتے تھے، اور بہت تعریف کیا کرتے تھے، ایسی حالت مین اُن کے بعض مضامین اگر فغان سے مل گئے ہین تو کیا تعجب ہے،

فغان	سودا
باور اگر تجھے نہین آتا تو دیکھ لے	خونناب یون کبھو نہ مری چشم سے بہا
آنسو کہیں ڈھلک گئو لختِ جگر کہین	اٹکا نہ جب تک آن کے لختِ جگر کہین
میری طرف سے خاطرِ صیاد جمع ہے	میری طرف سے دیجو صبا گل کو یہ پیام
کیا اُڑ سکے گا طائرِ بے بال و پر کہین	اُڑنا قفس بھی توڑ کے پر بال و پر نہین
ایذا فغان کے حق مین یہان تک روا نہ رکھ	کیون مجھ سے بے گناہ کو ناحق کرے تو قتل
ظالم یہ کیا ستم ہے خدا سے تو ڈر کہین	اے یار تیرے دل مین خدا کا بھی ڈر نہین
نے دادخواہ ہون نہ گریبان دریدہ ہون	نے بلبل نہ چمن نہ گل نو دمیدہ ہون
خستہ جگر ہون چاشنی غم چشیدہ ہون	مین موسم بہار مین شاخ بریدہ ہون
نے شعلہ ونے برق و نہ اخگر نہ شرر ہون	
مین عاشقِ دل سوختہ ہون تفتہ جگر ہون	

فغان	سودا
مت قصد کر صبا تو دلِ داغدار کا	بے کس کوئی مرے تو جلے اوس پہ دل مرا
ظالم یہ ہے چراغ کسی کے مزار کا	گویا یہ ہے چراغ غریبون کی گور کا
اے فغان درد دل سنون کب تک	سودا خدا کے واسطے کر قصہ مختصر
اُڑ گئی نیند اوس فسانہ سے	اپنی تو نیند اُڑ گئی تیرے فسانہ مین

فغان کی تقلید مین سودا کا قطعات اور غزلین کہنا اُن کے باکمال شاعر ہونے کی بین دلیل ہے، محمد حسین آزاد نے لکھا ہے، کہ فغان کے کمال کی سند اس سے زیادہ نہین ہو گی کہ مرزا رفیع جیسے صاحبِ کمال اکثر ان کے اشعار مزے لے لے کر پڑھا کرتے تھے، اور بہت تعریف کیا کرتے تھے، حقیقت مین مرزا کا خود بھی یہی انداز تھا کیونکہ ان کے کلام مین بھی ہندی کے محاورے نے فارسیت کے ساتھ مل کے لطف سے پختگی پائی، اور ہر خیال کو لطافت اور چوچلے کے ساتھ ادا کرتے ہین[1]، مولانا عبدالسلام صاحب ندوی بھی رقمطراز ہین، کہ فغان شاعرانہ حیثیت سے میر اور سودا کے ہم پلہ و ہم مرتبہ تھے،

مگر میر اور سودا کی مختلف حیثیتون سے اردو شاعری مین جو جگہ ہے، اس لحاظ سے فغان کو اُن کا ہم پلہ و ہم مرتبہ کہنا ذرا مشکل ہے، عام طور سے یہ دونون اساتذہ سخن اپنی ندرتِ خیال، طرزِ بیان اور قدرتِ زبان کے لحاظ سے اپنا جواب نہ رکھتے تھے، فغان کے یہان نہ میر کا سوز و گداز ہے، اور نہ سودا کا جوش و خروش اُن کے یہان صرف زبان ہے، اور زبان مین شگفتگی، ہمواری اور موسیقیت ہے، اور شاید اپنی زبان کی شگفتگی کی خاطر انھون نے غزلون مین شگفتہ طرحون کے سوا کوئی اور طرح اختیار نہین کی یہی وجہ ہے کہ اُن کے کلام مین شروع سے آخر تک یکرنگی، ہمواری اور توازن ہے"

البتہ اس حیثیت سے فغان کو میر اور سودا کے مقابلہ مین امتیاز حاصل ہے، کہ میر کی غزلون پر اس اعتراض "پستش بغایت پست و بلندش بغایت بلند" کا آج تک کوئی جواب نہ ہو سکا، سودا بھی

[1] آب حیات ص ۱۱۴،

اس الزام سے بری نہیں ہیں، لیکن استاذی مولانا عبدالسلام صاحب ندوی لکھتے ہیں، کہ اس اعتراض سے صرف خواجہ میر درد اور فغان کا کلام بالکل محفوظ ہے"، اس رائے کی تائید پیش نظر دیوان سے حرف بحرف ہوتی ہے، جس کی مثالیں دینا ضروری نہیں ہے، چند غزلوں کو چھوڑ کر ناظرین شروع سے آخر تک دیوان میں توازن اور یکرنگی پائیں گے،

فغان ریختہ گو جہان میں بہت ہیں　　　کوئی تجھ سا دنیا میں پیدا نہ ہوگا

میر و مرزا کے علاوہ فغان کے معاصر شیخ محمد قیام الدین قائم نے بھی ان کی سخن سنجی کی تعریف کی ہے،

"سلیقہ سخن سنجی درست دارد، چنانچہ از سیاق و سباق .... کلامش پیدا است"[1]

میر قدرت اللہ قاسم (۱۱۶۲ھ - ۱۲۴۲ھ) جنھوں نے فغان کا زمانہ دیکھا تھا، اپنے مجموعۂ نغز میں رقمطراز ہیں:-

"شورش پختگی نام دارد، سرآمد سخن سنجان فصاحت، امام مرزا محمد رفیع سودا بسیار ستائش دیوانش می کرد"[2]،

گلشن ہند کا مصنف فغان کو "شیرین کلام" لکھ کر کہتا ہے، کہ

"نظم ریختہ میں طبیعت ان کی رسا ہے"[3]،

مصحفی (۱۱۵۰ھ ۱۲۴۰ھ) لکھتے ہیں:-

"شعر را بہ صفائی تمام می گوید"[4]

موجودہ دور میں فغان کا خراج تحسین موجودہ دور کے ارباب کمال نے بھی فغان کی قدر دانی کم نہیں کی، شیخ محمد ابراہیم ذوق نے فغان کے دیوان کو اپنے ہاتھ سے لکھا ہے، محمد حسین آزاد نے جب اس دیوان کو پڑھا، تو ان کی آنکھیں روشن ہو گئیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ اگرچہ فغان کی زبان اسی زمانہ کی زبان ہے،

[1] مخزن نکات ص ۴۴ [2] مجموعۂ نغز حصہ دوم ص ۲، [3] گلشن ہند ص ۱۳۰ [4] تذکرۂ ہندی ص ۱۱۶۲

مگر فن شاعری کے اعتبار سے نہایت بااصول اور برجستہ ہے، اور الفاظ کی بندش ان کی مشق سخن پر گواہی دیتی ہے .... ان کی طبیعت ایشیا کی شاعری کے لئے نہایت مناسب تھی[1]، مولانا عبدالحی نے بھی فغان کو شعر و سخن کا ماہر کہا ہے[2]، استاذی مولانا عبدالسلام ندوی مصنف شعر الہند نے تو ان کو میر اور سودا کا ہم پلہ اور ہم مرتبہ قرار دیا ہے[3]،

فغان کی گمنامی کا سبب مگر افسوس ہے کہ ایسے باکمال استاد کے دیوان سے اب تک ارباب ذوق ناآشنا رہے، یہی وجہ ہے کہ فغان اتنے مشہور نہ ہو سکے جس کے وہ مستحق تھے، مولانا عبدالسلام صاحب مدظلہ کا خیال ہے کہ فغان اگر مرشدآباد اور عظیم آباد جانے کے بجائے دہلی یا لکھنؤ ہی میں مقیم رہتے، تو ان کو وہی شہرت حاصل ہوتی، جو میر کو تھی، وہ لکھتے ہیں، کہ اس وقت مرشدآباد اور عظیم آباد بھی اگرچہ شاعری کے مرکز ہو گئے تھے، تاہم شہرت کے جو اسباب لکھنؤ میں جمع ہو گئے تھے، وہ ان مقامات میں کہاں میسر آسکتے تھے، اس لئے قدرتی طور پر شہرت کے جو سامان میر وغیرہ کو حاصل ہوئے، اس سے اشرف علی خان محروم رہ گئے،

فغان کے مشہور نہ ہونے کی وجہ تو خیر یہ ہو سکتی ہے، لیکن معلوم نہیں ان کا دیوان اب تک طباعت اور اشاعت سے کیوں محروم رہا، حالانکہ ہر دور کے معمولی معمولی شعراء کے دواوین شائع ہو چکے ہیں، بہرحال یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ فغان کے دیوان کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ الاصلاح دیسنہ ضلع پٹنہ میں محفوظ ہے، اس کے ناظم جناب سید عبدالحکیم صاحب نے اسے ۳۲ء میں استاذی مولانا عبدالسلام صاحب ندوی کے پاس بھیجا، مولانا موصوف نے معارف اپریل ۳۲ء میں اس پر ایک مختصر لیکن جامع تبصرہ تحریر فرمایا ہے، آخر میں لکھا کہ یہ بہترین یادگار اس قابل ہے کہ اس کو نہایت محنت کے ساتھ اڈٹ کر کے عام طور پر شائع کیا جائے، لیکن افسوس اب تک اس کی نوبت نہ آئی شاید یہ سعادت راقم سطور کے لئے مقدر تھی، یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ اس فرض کو میں نے پورے طور سے انجام دیا ہے، لیکن بہرحال جو کچھ بھلا برا بن پڑا،

[1] آب حیات ص ۱۱۴، [2] گل رعنا ص ۱۸۰، [3] معارف نمبر ۴ جلد ۹،

پیش کر دیا گیا ہے۔

پیش نظر دیوان نہایت خوشخط نسخہ ہے، جس مین فغان کے فارسی اور اردو دونون کلام شامل ہین، شروع مین (۲۶ ورق یعنی ۲۵ صفحے فارسی غزلین قطعات اور ایک ہجو ہین، فارسی کلام کو مین نے آخر مین منسلک کر دیا ہے، اس کے بعد اردو کلام ہے، جس مین غزلون کے علاوہ شروع مین دو قصیدے ہین جو جناب امیر اور حضرت امام علی موسیٰ رضا کی منقبت مین لکھے گئے، غزلون کے ساتھ ہی جابجا قطعات ہین، آخر مین چند رباعیان متفرق اشعار، دو مخمس اور ہجوین ہین، اردو کا کلام ۷۳ ورق یعنی ۱۴۶ صفحے پر پھیلا ہوا ہے، یہ نسخہ ایک انگریز کرانت جنگ جمیس ولیم کلکٹر گورکھپور نے اپنے کسی اہلکار کو تحفۃً دیا تھا، پھر اتفاقاً یہ جناب بشیر الحق صاحب بیدل (سب انسپکٹر پولیس پنشن یافتہ) کے ہاتھ آیا، جن کو بجا طور پر شمع علم وفن کا پروانہ کہا جا سکتا ہے انھون نے اپنے محبوب وطن کے کتب خانہ کو نذر کر دیا،

اس نسخہ مین فارسی کلام کے آخر مین یہ عبارت لکھی ہوئی ہے،

ہذا ختمت انتخاب دیوان مرزا اشرف علی المتخلص بہ فغان مخاطب بخطاب ظریف الملک

کوکہ خان بہادر سلمہ اللہ الرحمان مالکہ"

اردو کلام کے آخر مین بھی یہی عبارت صرف چند الفاظ کے اضافہ کے ساتھ لکھی ہوئی ہے،

"ہذا ختمت انتخاب دیوان مرزا اشرف علی خان المتخلص بہ فغان مخاطب بخطاب ظریف الملک

مصاحب الدولہ کوکہ خان بہادر یکہ تاز جنگ سلمہ اللہ الرحمن

ٹھیک اس عبارت کے پہلے کاتب کی ہجو مین مندرجہ ذیل قطعہ لکھا ہوا ہے،

یہ جو میرا ہے راقم دیوان — تحفہ نسنے کا بھولا بھالا ہے

کچھ نہ سیکھا غلط نویسی میں — ہوش جس روز سے سنبھالا ہے

ہائے ہوزوہ لکھے ہے حنا — آپ کا رسم خط نرالا ہے

قاتل طبع زاد ہے ظالم — مین نے دشمن بغل مین پالا ہے

زندگی ہے میری سخن جس کو — سہو کاتب نے مار ڈالا ہے

یہ قطعہ اس بات کی دلیل ہے کہ پیش نظر دیوان فغان نے خود لکھوایا، اور شاید کلام کا انتخاب بھی خود کیا، اور یہی گویا اُن کے افکار سخن کا اصلی سرمایہ ہے، محمد حسین آزاد نے شیخ ابراہیم کے ہاتھ کا لکھا ہوا جو فغان کا دیوان دیکھا تھا، وہ صرف غزلون کا مجموعہ اور مقدار مین دیوان درد سے بڑا تھا، لیکن موجودہ دیوان تو درد کے دیوان سے بہت بڑا ہے، اور غزلون کے علاوہ بھی اس مین بہت کچھ ہے،

راقم الحروف کو فغان کے دیوان کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری سے بھی ملا، جو بالکل کتب خانہ الاصلاح کے نسخہ سے ملتا جلتا ہے، دونون مین کوئی فرق نظر نہ آیا، دونون کا کاتب بھی ایک معلوم ہوتا ہے، خان بہادر محمد شفیع (سابق پرنسپل اورنٹیل کالج لاہور) نے بھی ازراہ نوازش فغان کے دیوان کا ایک نسخہ اپنے ذاتی کتب خانہ سے استفادہ کے لئے بھیجا، مگر یہ بہت ناقص تھا، اس کی ضخامت بھی کم تھی، اس مین بہت سے ایسے اشعار تھے، جو مذکورۂ بالا دونون دیوان مین نہ تھے، شاید فغان نے ان اشعار کو رد کرکے اپنے اصلی دیوان سے نکال دیا ہو، ان تینون دیوان پر ایک طویل تبصرہ اس مسودہ مین تھا، جو انجمن ترقی اردو کو بھیجا گیا تھا، افسوس ہے کہ ہم پھر اس پر کچھ خامہ فرسائی کرنے سے بالکل قاصر ہین،

فتاویٰ عالمگیری کے مؤلفین

از

جناب مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب رفیق دارالمصنفین

خاتمہ

فتاویٰ عالمگیری کے چند اور جامعین کے حالات یا نام بعض حال کے اردو تذکروں میں مل گئے ہیں، اگرچہ کسی قدیم تذکرہ سے اس کی تائید نہیں ہوتی لیکن اس خیال سے ان کے نام یا مختصر حالات کا تذکرہ کر دیا جاتا ہے، تاکہ اصحابِ علم میں کسی صاحب کو اگر اُن کے صحیح حالات اور فتاویٰ کی تالیف میں اُن کی شرکت کی تائید کسی قدیم ماخذ سے مل جائے، تو وہ اس کو پیش کر سکیں،

فتاویٰ کے مولفین کے نام کے ذکر کرنے میں زیادہ احتیاط اس وجہ سے کرنی پڑتی ہے کہ اس کے جمع و ترتیب کی نسبت بہت سے لوگوں کی طرف غلط مشہور ہوگئی ہے، اس غلطی کی وجہ ظاہر ہے کہ فتاویٰ عالمگیری ہندوستان کے علماء کا ایک بڑا اور مایۂ فخر کارنامہ ہے، اس میں علما کی ایک کثیر تعداد شریک تھی، اور وہ کام چونکہ کئی برس تک ہوتا رہا، اس لئے اشخاص میں ردّ و بدل بھی ہوتا رہا، اس بنا پر جن اشخاص یا جس خانوادہ کا فتاوی کی شرکت کے علاوہ علمی تعلق دربار عالمگیری سے تھا، اُن کی طرف بھی نادانستہ طور پر فتاوی کی تالیف کی نسبت کا ہو جانا چنداں تعجب خیز نہیں ہے، نیز جن لوگوں نے اپنے خاندانی بزرگوں کے حالات لکھے، انھوں نے بھی اپنے اجداد کو اس شرف میں شریک کرنے کی کوشش کی، جیسا کہ ہر بڑے اور باعثِ امتیاز کاموں میں شرکت کی نسبت ہوتا ہے،

یہ چند سطریں اس لئے لکھدینا ضروری معلوم ہوا کہ مؤلفین فتاویٰ کی فہرست میں جو نام بھی داخل

کئے جائیں، اس میں پوری احتیاط سے کام لیا جائے، بہرحال ان کے نام یا مختصر حالات یہ ہیں،

ملا محمد غوث

محمد غوث نام، ابو محمد کنیت اور وطن کاکوری تھا، ۱۰۵۶ھ میں کاکوری میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم کے بعد ملا محمد زمان ملا ابو الواعظ[1] اور ملا قطب الدین سہالوی سے عربی کی تکمیل کی،

تکمیل کے بعد دلّی چلے گئے، اُن کے تبحر علمی نے دربار عالمگیری میں پہنچایا، عالمگیر ان کا بڑا اعزاز کرتا تھا، حدیث میں خاص طور سے اُس نے اُن سے استفادہ کیا تھا،

مؤلف مشاہیر کاکوری کے بیان کے مطابق ملا محمد غوث بارہ سال تک عالمگیر کے ساتھ دکن میں رہے،

ملا غوث نے درس و تدریس کا مشغلہ بھی ہمیشہ جاری رکھا، اور بہت سے تشنگانِ علم کی پیاس بجھائی، اُن کے مشہور تلامذہ میں شاہ محمد وارث، شیخ عبد اللہ بن شیخ امان اللہ اور مولوی غلام مرتضیٰ مولف جواہر الاشعار ہیں،

۶۲ سال کی عمر میں ۲۶ر صفر ۱۱۱۸ھ میں لکھنؤ میں وفات پائی، صاحب مشاہیر کاکوری فتاویٰ میں اُن کی شرکت کے متعلق لکھتے ہیں،

"تبحر علمی نے شاہ عالمگیر کے دربار تک پہنچایا، اور وہاں مجلسِ جامعین و مؤلفین فتاویٰ عالمگیری میں مقرر ہوئے،" (ص ۳۵۴)

مؤلف نے اُس کے ثبوت میں قاضی نجم الدین علی خان (جو ملا غوث کے پوتے ہوتے ہیں) کی کتاب انتخاب ریاض سے ایک فارسی عبارت نقل کی ہے، لیکن فتاویٰ کی تالیف میں شرکت کے متعلق کسی ماخذ کا حوالہ نہیں دیا ہے اس لئے ان کو مؤلفین فتاویٰ میں شامل کرنے کے لئے مزید ثبوت اور تصدیق کی ضرورت ہے،

[1] یہ بھی مؤلفین فتاویٰ میں ہیں، جنوری ۴۸ء کے معارف میں اُن کے حالات لکھے جا چکے ہیں۔ مشاہیر کاکوری ص ۲۵۴

نواب علی حسن خان قاضی نجم الدین کے حالات مین لکھتے ہین،

"وجد بزرگوارش ملا محمد غوث فضائل پناہ و کمالات دستگاہ و در علم حدیث استاد اورنگزیب

عالمگیر بادشاہ بود، (گلشن)

لیکن انھون نے بھی فتاوی کی شرکت کے متعلق کچھ نہین لکھا ہے،

ملا سعید — ملا سعید ملا قطب الدین شہید سہالوی کے منجھلے صاحبزادے تھے، تعلیم کی تکمیل اپنے والد ہی سے کی، اور عرصہ تک والد کے ساتھ درس و تدریس کا مشغلہ رکھا، حضرت شہید کی شہادت کے بعد انھون نے عالمگیر کے دربار سے تعلق قائم کیا، اور وہان سے فرنگی محل کے قیام کی سرکاری سند ملنے کے بعد مع اہل و عیال سہالی سے لکھنؤ منتقل ہوگئے،

ولادت اور وفات کی تاریخ کی کوئی تصریح نہین مل سکی، پسماندگان مین دو صاحبزادے مولانا احمد عبد الحق، اور مولانا عبد العزیز یادگار چھوڑے،

فتاوی کی تالیف کی شرکت کے بارہ مین صاحب تذکرہ علمائے فرنگی محل نے لکھا ہے، کہ:-

"مشہور ہے کہ فتاوی عالمگیری کی تدوین ملا سعید بھی دوسرے علماء کی مانند شریک تھے، (ص ۶۳)

لیکن محض شہرت قطعی ثبوت کے لئے کافی نہین ہے،

علامہ ابو الفرج — حیات جلیل ص ۱۳ مین مذکور ہے،

"امیر میران علامہ ابو الفرج معروف بہ سید معدن جو فتاوی عالمگیری کی ترتیب و تالیف مین دیگر علمائے عصر کے دست و بازو تھے،

"مولف نے کسی ::: کا حوالہ نہین دیا ہے، اس لئے قطعی طور سے فتاوی کی تدوین

مین ان کی شرکت کے متعلق کچھ نہین کہا جا سکتا،

ملا غلام محمد — برادر محترم مولانا ابو ظفر صاحب ندوی نے ایک خط مین ملا غلام محمد قاضی القضاۃ کے متعلق لکھا تھا، کہ وہ بھی مولفین فتاوی مین ہین، اور انھون نے ایک قلمی کتاب آثار اشرف کا حوالہ بھی دیا تھا، لیکن کوشش کے باوجود وہ کتاب دستیاب نہین ہو سکی، کتاب ملنے کے بعد اسکی مزید تفصیل پیش کیجائے گی

استفسار و جواب

علامہ ابن جریر طبری کی دو کتابین

جناب منور احمد صاحب
نمبر ۱، کمال اسٹریٹ اسلامیہ پارک لاہور

"براہ کرام مندرجۂ ذیل استفسار کا جواب معارف کے ذریعہ دے کر مشکور فرمائین،

(۱) ابن جریر طبری کی تفسیر جامع البیان میں اُن کی دو اور کتابون کا ذکر اکثر آتا ہے، جو اس تفسیر سے قبل لکھی گئی تھین، ایک کا نام "کتاب لطیف القول فی احکام شرائع الدین ہے، اور دوسری کا کتاب البیان عن اصول الاحکام" چنانچہ مثال کے طور پر ان کا ذکر جلد نمبر ۹ کے ص ۲۶ اور ص ۱۲ پر علی الترتیب موجود ہے، اُن کے متعلق مین یہ دریافت کرنا چاہتا ہون، کہ آیا یہ کتابین موجود ہین، طبع ہوئی ہین یا اُن کے مسودات کسی لائبریری مین موجود ہین،

مین بہت مشکور ہونگا اگر جناب اس کے متعلق میری رہنمائی فرمائین، کیونکہ مجھے ان کتابون کے دیکھنے کا شوق ہے،

"والسلام"

معارف:- آپکے دونون گرامی نامے ملے، افسوس ہے کہ تفسیر ابن جریر طبری کا جو نسخہ ہمارے یہان مطبوعہ مطبع میمنہ مصر ہے، اس کی نوین جلد کے ص ۳ و ۲۶ مین ان دونون کتابون کا تذکرہ موجود نہین اس کے مزید صفحے بھی دیکھے، مگر تذکرہ نظر نہین آیا، شاید آپکے پیش نظر نسخہ مطبع بولاق ہو، جس آیت کی تفسیر کے ذیل مین اُن کا ذکر آیا ہے، اس کا حوالہ آپنے دیا ہوتا تو آسانی ہوتی،

بہر حال علامہ ابن جریر طبری کی ان دونون کتابون مین سے اول الذکر کا تذکرہ ان کے سوانح نگار جابجا

مین موجود ہے، ابن ندیم نے الفہرست مین اس کا تذکرہ کیا ہے، کہ "یہ فقہ مین ہے اور کتب فقہ کے طرز پر مختلف کتابون و ابواب پر مشتمل ہے"، اس نے کتاب کا نام صرف کتاب اللطیف فی الفقہ لکھا ہے، (ص ۲۳۴ ذکر طبری) حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ مین کتاب لطیف القول فی الفقہ" کے نام سے تذکرہ کیا ہے، کہ "یہ بہترین تصنیف ہے، جس مین انھون نے اپنے اختیار کئے ہوئے مسائل قلمبند کئے ہین، (جلد ۲ ص ۲۵۲) علامہ سبکی نے بھی طبقات الشافعیہ مین محض اسی قدر لکھا ہے کہ "یہ فقہ مین اُن کی مختصر تصنیف ہے"، (جلد ۲ ص ۱۳۷) یاقوت حموی نے ابن جریر کا تذکرہ بڑی تفصیل سے لکھا ہے، اور ایک سے زیادہ مقام پر اس مین اس کتاب کا ذکر آیا ہے، ایک جگہ اس نے اس کتاب کے متعلق خود علامہ جریر طبری کا قول بھی نقل کیا ہے، کہ وہ فرماتے ہین:

"میری دو کتابین ہین جن سے کوئی فقیہ بے نیاز نہین رہ سکتا، وہ الاختلاف اور اللطیف ہین"

یاقوت نے اس کے بعد ان دونون کتابون کے مباحث و معلومات مین موازنہ کیا ہے اور آخر مین لکھا ہے،

"کتاب لطیف القول فی احکام شرائع الاسلام ایک ایسا مجموعہ ہے جس مین انھون نے اپنے مذہب و مسلک کے مطابق مسائل قلمبند کئے ہین اُن پر وہ خود اور اُن کے پیرو اعتماد کرتے تھے، یہ خود ان کی تصنیفات اور فقہ مین دوسرے فقہا کی تصنیفات مین نفیس ترین تصنیف ہے"،.....

"ابوبکر ابن رالیک کہتے ہین کہ کسی خاص مذہب و مسلک پر جو کتابین لکھی گئی ہین، ان میں سے ابوجعفر کی کتاب اللطیف اُن کے مذہب پر بہترین تصنیف ہے،..... اُن کی کتاب الاختلاف (جو چھپ چکی ہے) اس مین چند کتابین (ابواب) کتاب اللباس، کتاب امہات الاولاد اور کتاب الشرب زیادہ ہین، یہ بہترین کتابون مین سے ہے، اور اپنے موضوع پر منفرد ہے، کسی کو گمان نہ ہو کہ اس کے "لطیف" سے موسوم ہونے کی وجہ سے وہ مختصر اور خفیف بھی ہے، بلکہ لطیف سے مراد "لطیف القول" ہے، یہ کتاب تقریباً ڈھائی ہزار اوراق پر مشتمل ہے..... اس مین اصول فقہ، اجماع، خبر احاد، مراسیل، ناسخ و منسوخ وغیرہ مباحث بھی ہین (ج ۱۸، ص ۶۴، ۶۳)

لیکن افسوس ہے کہ یورپ، مصر اور ہندوستان کے معروف کتب خانون مین سے کسی مین اس کا کوئی نسخہ محفوظ

نہین اس لئے یہ کہا بھی نہین جاسکتا کہ اس کا وجود بھی باقی رہ گیا ہے یا علامہ ابنِ جریر کی بہت سی دوسری کتابون کی طرح ناپید ہو چکی ہے،

آپ نے دوسری کتاب البیان عن اصول الاحکام کا جو تذکرہ کیا ہے، افسوس ہے، کہ اس کا ذکر اُن کے سوانح حیات یا فہرست کتب مین موجود نہین،

علامہ ابنِ جریر طبری کی فن اصول مین ایک مختصر تصنیف التبصیر فی معالم الدین کے نام سے ہے، معجم الادبا مین اس کا نام التبصیر کے بجائے البصیر چھپا ہے، یہ تیس اوراق کا ایک مختصر رسالہ ہے، پھر انھون نے علم اصول مین ایک کتاب الموجز فی الاصول کے نام سے لکھنی شروع کی تھی، لیکن اس کا لکھنا انھون نے موقوف کر دیا، اور انہین اس فن مین ایک نئی کتاب لکھنے کا خیال پیدا ہوا، مگر وہ خیال عمل مین نہ آسکا، (معجم الادبا، جلد ۶ص ۵۲، ۵۲ ۴، طبقات الشافعیہ جلد ۲ ص ۱۳۶ و تذکرۃ الحفاظ)

تفسیر مین البیان عن اصول الدین کا ذکر معلوم نہین کس حیثیت سے آیا ہے، یاقوت نے علامہ محمد بن جریر کے سوانح حیات دو اہم ماخذ سے مرتب کئے ہین اور اچھے خاصے مفصل ہین، یہ دونون ماخذ علامہ کے صاحبزادے عبد العزیز بن محمد طبری اور ابو بکر بن کامل کی تصنیفات ہین، جو خاص سیرت طبری پر لکھی گئی ہین، (معجم الادبا، جلد ۶ ص ۴۰۴) اس لئے معجم الادبا، مین طبری کی تصنیفات مین البیان عن اصول الدین کا تذکرہ نہ ملنا نظر انداز کئے جانے کے لائق نہین، ممکن ہے یہ وہی اُن کی موعود تصنیف ہو جس کو وہ اصول دین مین لکھنا چاہتے تھے لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ انھون نے اصول و فروع مین بکثرت کتابین لکھی تھین، (مفتاح السعادہ جلد ۱ ص ۲۱۶) ہو سکتا ہے کہ البیان عن اصول الدین کے نام سے بھی کوئی کتاب تصنیف پائی ہو لیکن بہر حال وہ ابنِ ندیم صاحب الفہرست، حاجی خلیفہ صاحب کشف الظنون اور طاش کبری زادہ صاحب مفتاح السعادہ وغیرہ کی نظر سے نہین گذری، ورنہ اُن کی تصنیفات مین اس کا ذکر موجود ہوتا، اس لئے اس سلسلہ مین کسی آخری اور حتمی بات کا کہنا دشوار ہے، قیاسی طور پر جو باتین ذہن مین آسکتی ہین، وہ عرض کی گئین، آپ ان پر غور و خوض فرما سکتے ہین، والسلام

"د-س"

وفیات

ماتم گسارِ برامکہ کا ماتم

مولوی عبد الرزاق صاحب کانپوری جو البرامکہ کے مصنف کی حیثیت سے مشہور تھے، پچاسی برس کی عمر مین ۸ار فروری ۱۹۴۸ء کو بمقام بھوپال اپنی نواسی کے گھر مین ۳ بجے رات کو یکایک انتقال کیا، وہ کچھ دنون سے بیمار تھے، اُن کے داماد ان کو علاج کی خاطر دلی لے گئے تھے، اور غرض یہ بھی تھی کہ اُن کے بعض پچھلے مسودات وہان چھپ جائین کہ دلی مین ہنگامہ ہوا، اور لوگون مین بھگدڑ مچی، مولوی صاحب موصوف کو اُن کے عزیز ہوائی جہاز سے بھوپال لائے، جہان ایک زمانہ سے مختلف خدمتون کے تعلق سے ان کا قیام تھا،

مرحوم سے میری پہلی ملاقات غالباً ۱۹۰۶ء مین لکھنؤ دار العلوم ندوہ کے احاطہ کے اندر اس وقت ہوئی جب آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس کے سبب سے ملک کے اکابر و مشاہیر لکھنؤ آئے تھے، البرامکہ کا نام سن چکا تھا، مصنف سے واقف نہ تھا، شاہ سلیمان صاحب پھلواروی اس زمانہ مین دار العلوم مین قیام فرما تھے، مشتاقون کا ان کے پاس ہجوم تھا، انہی مین مولوی عبد الرزاق صاحب تھے، شاہ صاحب نے ان کی طرف اشارہ کرکے مذاقاً فرمایا کہ یہ برامکہ صاحب ہین، اس تعارف سے مجھے خوشی ہوئی،

اس کے بعد ۱۹۰۵ء مین جب حضرۃ الاستاذ علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ حیدر آباد سے قطع کرکے دار العلوم مین معتمد ہو کر آئے، تو مرحوم کی آمد و رفت بکثرت ہونے لگی، یہ وہ زمانہ تھا، جب

مرحوم نظام الملک سلجوقی لکھ رہے تھے، اور اس سلسلہ سے اپنے مسودات مولانا کو دکھانے لاتے تھے اور ان سے مشورہ چاہتے تھے،

مرحوم کی علمی استعداد اسی قدر تھی کہ وہ فارسی اچھی طرح جانتے تھے، اور عربی سے مانوس تھے، اور عبارت سے مطلب سمجھ لیتے تھے، البرامکہ لکھتے وقت اس سے بھی کم واقفیت تھی، اوس زمانہ مین ندوہ کا دفتر کانپور مین تھا، اور اسی تعلق سے مولانا سید عبدالحی صاحب مددگار ناظم ندوۃ العلما جو بہت اچھے ادیب تھے، کانپور مین رہتے تھے، اور منشی عبدالرزاق صاحب جیسا کہ وہ اس وقت کہلاتے تھے "البرامکہ" لکھ رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو فطری مذاق بخشا تھا، اور حیات سعدی والمامون وغیرہ سے اردو مین سوانح نگاری کی ایک طرح پڑ چکی تھی، مرحوم عربی تاریخی اور ادبی کتابون کو لفظ لفظ دیکھتے تھے، اور جہان برامکہ یا برمکی کا لفظ دیکھتے، نشان لگا دیتے تھے، اور بعد کو اس کا مطلب سمجھ کر اس کو اردو مین لکھ دیتے، عربی اشعار کے سارے ترجمے جیسا کہ سنا مولانا سید عبدالحی صاحب کے کئے ہوئے ہین، اور پورا مسودہ حضرۃ الاستاذ کی نظر سے گذارا گیا تھا، اور شاید اسی جذبہ کے تحت مصنف نے بڑے ادب کے ساتھ مولانا کے نام اس کو منسوب کیا تھا، اور یہ شعر لکھا تھا،

مسندِ علم از وجودت منبع آداب باد ۔۔۔ آستانت قبلۂ جان اولی الالباب باد

کانپور مین اس وقت جدید ادبی مذاق کا مرکز منشی رحمت اللہ صاحب رعد مالک نامی پریس کانپور کا مطبع تھا، جہان سے منشی صاحب پہلے ایک مصور رسالہ نکالتے تھے، اور پھر نامی جنتری نکالنے لگے تھے، منشی عبدالرزاق صاحب اوس وقت جیسا کہ یاد آتا ہے، کانپور میونسپلٹی مین ملازم تھے، اور وہین رحمت اللہ رعد اور مولوی عبدالرزاق صاحب مین دوستانہ اتحاد پیدا ہوا، منشی رحمت اللہ رعد صاحب کو سرسید کی تعلیمی تحریک سے دلچسپی اور سرسید کے نورتن سے ادبی لگاؤ تھا، اس تعلق سے مولوی عبدالرزاق صاحب بھی اسی مرکز سے وابستہ ہوئے، اور تاریخ کی دلچسپی کے سبب سے خاص طور سے مولانا شبلی سے اُن کو زیادہ اُنس ہوا، مولینا نے

"سلسلۂ فرمانروایانِ اسلام" کی بنیاد ڈالی تھی، اور المامون لکھ چکے تھے، اور الفاروق کا غلغلہ تھا، اس مناسبت سے مولوی عبدالرزاق صاحب کے ذہن مین "سلسلۂ وزرائے اسلام" لکھنے کا خیال آیا، اور سب سے پہلے ۱۸۹۵ء مین البرامکہ اور اس کے ۱۵ برس بعد ۱۹۱۲ء مین نظام الملک سلجوقی لکھی، اور ملک مین بہت مقبول ہوئی، البرامکہ خصوصیت سے زیادہ مقبول ہوئی، اور بہت پڑھی گئی، اور کئی دفعہ چھاپی گئی، اخیر اڈیشن ابھی چند سال ہوئے، مرحوم نے نظر ثانی کے بعد مع جدید اضافون کے شائع کیا تھا، ان دو تصنیفات کے علاوہ انھون نے مضامین بھی لکھے ہین، مرزا فرحت شیرازی کی کتاب آثار عجم سے لے کر ایرانی یادگارون پر کچھ ان کے مضامین معارف علی گڈھ مین نکلے تھے، زردشت، لہراسپ اور بزرجمہر وغیرہ کے حکایات اور ایرون کے پرانے افسانون سے بھی اُن کو دلچسپی تھی،

مرحوم کی پچاسی سال کی عمر کے لحاظ سے ۱۸۶۳ء مین پیدائش ہوئی ہوگی، اور اُن کے ہوش کا زمانہ سرسید اور اُن کے رفقا کی جد وجہد کا دور تھا، وہ علی گڈھ جاکر مولانا شبلی کے یہان بھی مقیم ہوتے تھے، اور خود مولانا بھی ندوہ کے تعلق سے کانپور آتے جاتے تھے، اس لئے اس دور کے اکابر اور مشاہیر فن سے ان کی شناسائی تھی، اسی تعلق سے مین نے اُن سے خواہش کی تھی، کہ اپنے زمانہ کے دیکھے ہوئے بزرگون اور ان کی محفلون کے مشاہدات یکجا کر دین، چنانچہ اس زمانہ مین جب سرِ راس مسعود بھوپال مین وزیر تعلیم ہو کر آئے، انھون نے اپنے ان مشاہدات کو قلمبند کیا، اور وہ سلسلہ کسی مقامی پرچہ مین چھپتا رہا، بعد کو ان مطبوعہ اوراق کو میرے پاس بھیجا کہ مین انھین مطبعِ معارف سے شائع کر دون، مگر یہ دوسری جنگ عظیم کا زمانہ تھا، کاغذ کی نایابی سے وہ ہمارے ہان نہ چھپ سکا، اور مولف کو واپس کر دیا گیا، سنا ہے کہ وہ حیدرآباد دکن سے چھپ کر شائع ہو،

نظام الملک کی قدردانی نواب عماد الملک مولوی سید حسین بلگرامی نے پوری کی، ریاستِ آصفیہ کی طرف سے اس کے بہت سے نسخے خریدے گئے اور شاید مصنف بھی انعام سے سرفراز ہوئے، اسی سلسلہ مین حیدرآباد

کے ارادہ سے وہ بھوپال وارد ہوئے، اور سرکار عالیہ نواب سلطان جہان بیگم مرحومہ سے ملے انھون نے ازراہ قدردانی اپنی ریاست مین تحصیلداری کے عہدہ پر مقرر کر دیا، یہ واقعہ ۱۹۱۴ء یا ۱۹۱۵ء کا ہوگا، بعد کو جب کسی ضرورت سے میرا یہان آنا ہوا تو سابق نواب ولیعہد بہادر کی ڈیوڑھی سے ان کو وابستہ پایا اور ان کی درخواست سے وہ اس زمانہ مین اُن کے والد نواب احمد علی خان کی سوانحعمری اور افغانان جلال آباد (ضلع مظفر نگر) کی تاریخ قلمبند کر رہے تھے، مین نے مبارکباد دی کہ کیا عجب آپ بھی کسی زمانہ مین یہان کے نظام الملک بن جائین، مگر ولیعہد بہادر نے ۱۹۲۴ء مین وفات پائی، اور سرکار عالیہ نے ان کو تاریخ اسلام لکھنے پر مقرر فرمایا، یہ اس کام کو ایک مدت تک انجام دیتے رہے، مگر پھر بساط الٹی کہ گوشہ نشین سے ہوگئے، اس کے بعد سر راس مسعود نے اپنی وزارت تعلیم کے عہد مین جب تالیف و ترجمہ کا ایک سرکاری ادارہ قائم کیا، تو مرحوم اس کے اسٹاف مین داخل ہوئے، اور تاریخ بھوپال وغیرہ کی طرح ڈالی، مگر سر راس مسعود کا زمانہ جلد ختم ہوگیا، اور ۱۹۳۵ء مین انتقال کر گئے، تو یہ ادارہ بھی خواب پریشان ہو کر رہ گیا،

وہ ادھر ضعف عمر کے سبب سے کمزور بھی ہوگئے تھے، تاہم کچھ نہ کچھ لکھتے پڑھتے رہتے تھے، اخیر تصنیفات تاریخ اسلام وغیرہ کے مسودات ان کے وارثوں کے پاس ہین، اور عجب نہین کہ وہ اُن کو شائع کرین،

مرحوم چونکہ یوپی سے بھوپال آگئے تھے، اور وہان کے علمی و ادبی حلقون سے الگ ہوگئے تھے، اس لئے لوگ ان کو اُن کی زندگی ہی مین بھول چکے تھے، اور انھین خود بھی یہ خیال تھا کہ لوگ انھین مردہ سمجھ چکے ہونگے، اس لئے مجھ سے دو دفعہ غالباً یہ خواہش کی کہ مین ان کی زندگی کی خوشخبری لوگون کو پہنچادون چنانچہ معارف کے شذرات مین ان کی یہ تحریرین ہون گی،

مولانا شبلی مرحوم کے دوسرے دوستون کے ساتھ مین جو ادب ملحوظ رکھتا تھا، وہی اُن کے ساتھ رکھتا تھا، اور وہ بھی مجھے اپنے عزیزون مین شمار کرتے تھے، آج اس مساوات کے زمانہ مین ہمارے نوجوان خوردی و بزرگی کے ان آداب کو شاید نہ سمجھ سکین،

۱۰ ر فروری ۱۹۶۳ء کی دوپہر کو دفتر دارالقضا مین ٹیلیفون سے مجھے کسی نے مطلع کیا، کہ رات مولوی عبدالرزاق صاحب نے انتقال کیا، ۲ بجے نماز جنازہ ہوگی اور اسی شاہ کے تکیہ مین مدفون ہونگے، لیکن افسوس کہ جب مین قبرستان مین پہنچا، تو اُن کے احباب اور اعزہ ان کو دفن کر کے واپس جا چکے تھے، اور اس وقت اُن کی قبر کو مزدور پتھر سے گھیر رہے تھے مین نے دعائے مغفرت پڑھی، اور اُن کے عزیز کے گھر جا کر جہان انھون نے وفات پائی تھی فرض تعزیت ادا کیا،

مرحوم بلند بالا، خوش خلق اور متواضع تھے، ہر حال مین وہ اپنے علمی کامون مین منہمک رہتے تھے، اب زمانہ کے حالات مین جو انقلاب ہو رہا ہے اسکو دیکھتے ہوئے ایسے شایقین خدمتگذاران علم و ادب کی توقع بہت کم کیجا سکتی ہے، اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے،

"س"

نواب غلام احمد کلامی مدراس

ہمارے بوڑھے قومی خدمتگذارون مین مدراس کے ایک بزرگ نواب غلام احمد کلامی تھے، پچھلے رہنمایان ملت کے کامون مین یہ ہمیشہ ہاتھ بٹاتے رہے، اور ان کی موافقت کا دم بھرتے رہے، ندوۃ العلماء کی تحریک سے احاطہ مدراس مین جن بزرگون کو دلچسپی تھی، ان مین ایک نام ان کا بھی ہے، اسی تعلق سے ندوہ کی رودادون مین اُن کے تذکرے آئے ہین، مکاتیب شبلی مین مولانا ابوالکلام کے نام کے خطون مین بھی ان کا ذکر ہے، افسوس ہے کہ مرحوم نے ۸۰ برس کی عمر مین ۵ ر دسمبر ۱۹۶۲ء (۱۱ ر ماہ صفر المظفر ۱۳۸۲ھ) کو بروز جمعرات بوقت عصر اس جہان فانی کو الوداع کہا،

ان کا قیام اور کاروبار کولار واقع ریاست میسور مین تھا جہان سونے کی کان ہے، ریاست میسور کی اسمبلی مین مسلمانون کی نمایندگی بھی رہ چکے تھے، اور وہان کے مسلمانون کی خدمت کرتے تھے، معارف کے قدردانون مین تھے، شروع سے آخر دم تک وہ اس کے خریدار رہے، خاکسار کو سب سے پہلے ۱۹۱۲ء مین جب مدراس مین محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس مین شرکت کا اتفاق ہوا تو اس تقریب سے مرحوم کی خدمت مین کولار حاضر ہونے کا بھی موقع ملا تھا، اور انہی کے توسط سے کولار کے طلائی معدن کے کارخانہ کو دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا، اس کے بعد میسور کی طرف جب جاتا ہو تو ان سے نیاز حاصل ہوتا اور کبھی کبھی خط و کتابت کا بھی اتفاق ہوتا تھا، بہت نیک، ملنسار اور متواضع بزرگ تھے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے،

"س"

ادبیات

نعتِ رسول

از جناب ابو طاہر مصلح الدین صاحب ڈھاکہ

مرے ذوقِ طلب کی ہے یہ خامی　　کہ قسمت مین لکھی ہے تشنہ کامی

زبان کو چشمۂ کوثر سے دھولے　　یہ کس کا لے رہا ہے نام نامی

جہان مین رحمۃ اللعالمین ہین　　محمد مصطفےٰ اسمِ گرامی

ملک ہین جن کے در پر سر بسجدہ　　شہنشاہوں کو ہے فخرِ غلامی

ہوا جو زینتِ عرشِ الٰہی　　شبِ معراج یہ عالی مقامی

بیاں ہوں کس طرح اسکے فضائل　　خدا سے جس کو حاصل ہم کلامی

خدا کا وہ، خدائی اس کی ساری　　الٰہی اس کی یہ عالی مقامی

جو جان و دل سے قربان نبی ہو　　مقدر مین ہے اس کے شادکامی

مئے وحدت کا نشہ چھا رہا ہے　　طبیعت مین ہے اک کیفِ دوامی

مین یہ سمجھوں مقدر جاگ اٹھا ہو　　ترے در کی جو مل جائے غلامی

جو بادل سیرِ یثرب کو رواں ہین　　مرے جذبات دل کے ہین پیامی

جبیں سے داغِ عصیاں کو مٹا کر

درِ حضرتؐ پہ طاہر دے سلامی

غزل

از

جناب مولوی محمد عزیز صاحب ایم اے لکچرار مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

دل کو پھر اضطراب ہوتا ہے　　پھر وہی پیچ و تاب ہوتا ہے

تم کو معلوم کیا محبت مین　　کون خانہ خراب ہوتا ہے

کس سے کہئے کہ داغِ دل روشن　　ہر شب ماہتاب ہوتا ہے

ذکر تیرا دلِ حزین کے لئے　　دورِ جام شراب ہوتا ہے

بنگہِ غور سے اگر دیکھو،　　ذرہ بھی آفتاب ہوتا ہے

کس کو ہے فردِ جرم سے انکار　　کیوں سوال و جواب ہوتا ہے

یاد سے اس کی بزم رنگیں کی　　تازہ عہد شباب ہوتا ہے

جرم بھی بے شمار کرتے ہین　　عفو بھی بے حساب ہوتا ہے

اُس گُلِ تر کی یاد مین ہر شب　　فرشِ گل فرشِ خواب ہوتا ہے

سعیِ پیہم شعار ہو جس کا　　بس وہی کامیاب ہوتا ہے

آج پھر مائلِ کرم ہین وہ　　آج پھر فتح باب ہوتا ہے

شاعری مین عزیز یہ ہے

وقت خاصا خراب ہوتا ہے

مطبوعات جدیدہ

اسلامی نظریہ اجتماع از جناب مولوی حیدر زمان صاحب صدیقی، تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۴۴ صفحے،

کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد عہ، پتہ نفیس اکیڈمی عابد روڈ حیدر آباد دکن،

موجودہ عالمگیر بدامنی اور فساد فی الارض کا سب سے بڑا سبب انسانوں کے خود ساختہ اخلاق و روحانیت سے خالی خالص مادی نظامات ہین جن کی بنیاد عالمگیر انسانی اخوت کے بجائے جغرافی وطنیت اور نسلی قومیت پر ہے، اس کے مقابلہ مین اسلام کے نظام اجتماعی کی اساس خداشناسی اخلاق و روحانیت عدل ومساوات، اور عالمگیر قومیت پر ہے اور اس کے سارے اجزا مین یہ روح ساری ہے، یہ مباحث مصنف کا خاص موضوع ہین، اور اس پر معارف مین بھی اُن کے مضامین نکلتے رہتے ہین، اس کتاب مین انھون نے اسلامی نظام اجتماع اور دوسرے مادی نظامون کا فرق اور اسلامی نظام کے فوائد و برکات اور دنیاوی نظامون کے مفاسد اور نقصانات دکھائے ہین، اور تاریخی حیثیت سے اسلامی نظام اجتماع کی برہمی کے اسباب پر نگاہ ڈالی ہے، اور اس کے بعض اہم اجزاء، اسلامی جہاد، تنظیم ملی کی اساس آزادی کے اسلامی مفہوم وغیرہ کی وضاحت کی ہے، موضوع کی اہمیت کے اعتبار سے کتاب کے مباحث سرسری اور تشنہ ہین، تاہم اُن سے اسلامی نظام اجتماع کا بنیادی تصور سامنے آجاتا ہے، مصنف کی یہ دینی خدمت لائق تحسین ہے، لیکن صحیح اسلامی تعلیمات اور اس کے نظام اجتماعی کو پیش کرنے کے لئے یہ ضروری نہین ہے، کہ پوری اسلامی تاریخ پر خط نسخ پھیر دیا جائے، جو واقعہ کے اعتبار سے بھی غلط ہے، یہان تک تو بلاشبہ صحیح ہے کہ دینی اعتبار سے اسلامی تاریخ کا بہترین دور خلافت راشدہ کا ہے، اس کے بعد ملوکیت قائم ہو گئی

اور اسی کے ساتھ اس کی بہت سی برائیان بھی پیدا ہو گئین، لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ دورِ ملوکیت کا سارا نظام غیر اسلامی تھا، اور تمام اموی خلفاء انتہا درجہ کے عیاش، بدکردار اور ظالم تھے "اور عباسی خلفاء ان سے بھی گئے گذرے تھے"، قطعاً غلط ہے وہ دنیاوی بادشاہ تھے، ان مین اچھے بھی تھے برے بھی اپنی شخصی کمزوریون کے باوجود ان مین سے بہتون نے اسلام اور مسلمانون کی بہت سی مفید خدمات بھی انجام دین جس سے تاریخ کا کوئی واقف کار انکار نہین کر سکتا، اور گو ان کا طرز حکومت اسلامی روح سے خالی تھا لیکن حکومت کا قانون اسلامی ہی تھا، یہ اور بات ہے، کہ اس کے تمام اجزاء پر عمل نہ رہ گیا تھا، خلافتِ راشدہ کے بعد سارے نظامون کو باطل قرار دینے کے معنی تو یہ ہین، کہ اسلامی نظام مین زندہ رہنے کی صلاحیت ہی نہ تھی کہ وہ ایک تہائی صدی سے زیادہ نہ چل سکا، اور ایک معترض یہ کہہ سکتا ہے، کہ جب اموی اور عباسی دور مین جو عہد رسالت سے اس قدر قریب تھا، یہ نظام قائم نہ رہ سکا، اور اس زمانہ کے بڑے بڑے ائمہ تابعین اور تبع تابعین، اور دوسرے صلحاء و اخیارِ امت اس کی اصلاح نہ کر سکے، تو آج جب کہ ان مین سے کوئی خصوصیت بھی باقی نہین ہے، اس کا احیاء کس طرح ممکن ہے، لیکن اگر ان نظامون کو باطل اور غیر اسلامی کہنے کے بجائے اس کو نقص و فساد سے تعبیر کیا جائے، تو اس کی اصلاح کی کوشش ہر زمانہ مین ہو سکتی ہے، مصنف نے تاریخی واقعات کا بھی صرف ایک رُخ دکھایا ہے، خلیفہ منصور نے بلاشبہہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو سزا دی تھی، لیکن محمد مہدی کی حمایت کے جرم مین نہین، بلکہ اس لئے کہ منصور کے اصرار کے باوجود وہ عہدہ قضا قبول نہین کرتے تھے، گو اس سے منصور کا جرم ہلکا نہین ہو جاتا، لیکن مقصود واقعہ کی تصحیح ہے، لیکن اس کے باوجود وہ امام موصوف کے کمال کا اتنا معترف تھا، کہ ان کو قید سے بلوا کر استفادہ کرتا تھا، اسی طریقہ سے حضرت امام مالک کو مدینہ کے ناقدر شناس والی جعفر نے سزا دی تھی، اس مین منصور کی مرضی اور منشاء کو کوئی دخل نہ تھا، اس کو جب جعفر کی اس گستاخی کا علم ہوا، تو سخت برہمی ظاہر کی اور اس کو سزا اور ذلت کے لئے گدھے پر سوار کر کے مدینہ سے بغداد بلوایا، اور امام موصوف سے معذرت کی منصو

امام مالک کی بڑی عظمت کرتا تھا، اس کے بہت سے واقعات تاریخون مین مذکور ہین، واقعات کا صرف ایک رُخ پیش کرنے سے اُن کی تصویر بہت غلط آتی ہے، پوری اسلامی تاریخ کو تاریک دکھانا اسلام کی کوئی اچھی خدمت نہین ہے، اسی طریقہ سے ان اسلامی تعلیمات کی تعبیر جن کا تعلق نئے مسائل اور حالات سے ہے، جدید مذاق کی رعایت سے نئی اصطلاحون مین کرنا بُرا نہین ہے، لیکن اسی حد تک جس سے اُن کے اصل مفہوم و منشا مین فرق نہ آنے پائے، لیکن تجدد کے شوق مین مصنف کے قلم سے کلام مجید کے ترجمہ تک مین لغزش ہوگئی ہے، مثلاً اِنْ ھُوَ اِلَّا ذِکْرٌ لِلْعَالَمِیْنَ مین ذکر کا ترجمہ ضابطہ حیات ص ۱۰۰، اور تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ کی تشریح خیر و شر اور نیک و بد کے اعتبار سے اشیاء کی قدرین متعین کرو معلوم نہین کس لغت اور تفسیر کے اعتبار سے صحیح ہے، بجز اس کے "ضابطۂ حیات" اور "قدرین" کی اصطلاح کو خواہ مخواہ لانا مقصود تھا، ایک طرف تو یہ شدت کہ خلافتِ راشدہ کے علاوہ ساری اسلامی حکومتون کے نظام باطل دوسری طرف یہ تجدد کہ ہر نئی اصطلاح کو خواہ اس کا موقع و محل ہو یا نہ ہو کلام مجید کے ترجمہ تک مین کھپانے کی کوشش کیجائے، ہر چیز مین اعتدال ضروری ہے، امید ہے کہ لائق مصنف آیندہ ان امور مین احتیاط ملحوظ رکھین گے، ایک ہوشیار طبیب کیلئے مرض کے علاج مین مریض کے پورے مزاج کا لحاظ رکھنا ضروری ہے ورنہ علاج دوسرے امراض کا سبب بن سکتا ہے،

تاریخ اسلام کے حیرت انگیز کارنامے } مترجمہ جناب عبدالوہاب صاحب ظہوری تقطیع اوسط ضخامت ۳۰۷ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد :- عہ/ پتہ نفیس اکیڈمی

عابد روڈ، حیدرآباد دکن،

مسلمانون کا عروج و زوال دونون حیرت انگیز واقعات و حوادث پر مشتمل ہے، اُن کے دورِ عروج مین ایشیا، افریقہ، یورپ تین براعظم ان کی اولوالعزمیون کا جولانگاہ تھے، یورپ پر صدیون ان کا گہرا اثر رہا، وہان انھون نے بڑے دیرپا اثرات چھوڑے، اس لئے اُن کی ترقی اور تنزل دونون کے اثرات عالمگیر تھے، مصنف نے اس کتاب مین دونون دورون کے ان واقعات و حوادث کو جن کے عالمگیر اثرات پڑے،

خصوصاً جن کا تعلق یورپ سے ہے، موثر انداز مین جمع کر دیا ہے، مثلاً عربون کا ظہور ان کی دینی سیادت، یورپ کی حکومتون سے اُن کے تعلقات، قسطنطنیہ پر پہلا حملہ، صلیبی لڑائیان، مغرب مین ان کے اثرات، قرون وسطیٰ میں غلامی کا رواج، اسلام کی اصلاحات، مسلمانون کی بحری سیادت، اُن کے سمندری کارنامے، روما سے انکے معرکے اسلامی اسپین کے اہم واقعات، یہان اُن کی تمدنی خدمات، اسپین سے ان کا زوال، اور اُن کے علمی آثار، مارکوپولو کی سیاحت، ابن بطوطہ کی سیاحت، اور اس کا درجہ وغیرہ اس نوع کے اور بہت سے مباحث اور اسلامی تاریخ کے اہم واقعات اس کتاب مین آگئے ہین، اگر بظاہر ان مین باہم کوئی ربط و علاقہ نہین ہے، اور وہ تاریخ اسلام کی کوئی مسلسل اور مربوط کڑی نہین معلوم ہوتے، لیکن ان سے ایشیا افریقہ خصوصاً یورپ سے مسلمانون کے تعلق اور یہان اُن کے عروج و زوال کے اثرات کے بہت سے رخ سامنے آجاتے ہین، اور تاریخ مین اُن کی اہمیت اور اُن کے درجہ کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے، اصل کتاب قاہرہ کے ایک صاحب علم و قلم بیرسٹر عبداللہ عنان کی تصنیف ہے، ترجمہ صاف اور سلیس ہے،

راجپوت اور مغل زن و شو کی معاشرت } از جناب مولوی مقبول احمد صاحب صمدنی تقطیع چھوٹی ضخامت ۳۸۰ صفحے، کاغذ، کتابت، طباعت بہتر، قیمت مجلد ۱۲ر

پتہ:- الٰہ آباد پبلشنگ ہاؤس الٰہ آباد،

ہندوستان مین ہندو اور مسلمانون کے میل جول سے جو مخلوط تمدن پیدا ہوا، اس کی تکمیل تیموریون کے زمانہ مین ہوئی، ان کی اور راجپوتون کی قرابت سے جب ہندو تمدن ایوان شاہی مین پہنچا، تو ایرانی تمدن کے اختلاط سے ایک ایسا دو آتشہ بوقلمون اور دلآویز تمدن ہوا جو ہندوستان کا معیاری تمدن قرار پایا، جو ہندو مسلمانون کے اتحاد کی سب سے بڑی نشانی ہے، فاضل مؤلف نے اس کے ایک دلچسپ پہلو "راجپوت اور مغل زن و شو کی معاشرت" پر یہ کتاب لکھی ہے، لیکن یہ موضوع جس قدر دلکش ہے، اسی قدر مشکل بھی ہے، اور تاریخ سے اس معاشرت کا پورا مرقع دکھانا آسان نہین ہے، اسی لئے چارسو صفحون

کی اس ضخیم کتاب مین ہندوستان نے مسلمان سلاطین خصوصاً تیموریون اور راجگان ہند کے تعلقات اُن سے متعلق مختلف واقعات وحالات، اور اس دور کے دوسرے متفرق معلومات تو کافی ہین، اور اس کے حواشی وتعلیقات بھی قابلِ قدر ہین، لیکن اُن کو اصل موضوع سے بہت کم علاقہ ہے، اور یہ حصّہ گویا اس کی صرف تمہید ہے، غالباً کتاب کے دوسرے حصہ مین اس پر بحث ہوگی، تاہم یہ کتاب اس دور سے متعلق مختلف النوع معلومات کا دلچسپ مجموعہ ہے، اور کمن سال مصنف کے قلمی تبرک کی حیثیت رکھتی ہے، موضوع کی دلکشی کے اثر سے جابجا مصنف کے قلم مین جوانی کی رنگینی اور چمک آگئی ہے،

ہندوستان کی قومی زبان اور رسم الخط — از جناب محمد معین الدین صاحب دردائی، ایم اے علیگ
تقطیع اوسط، ضخامت ۸۴ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت اوسط، قیمت مجلد عہ، پتہ طیب حسن اینڈ برادرس، اسلامیہ بک ڈپو، آرہ،

مذکورہ بالا کتاب مین مصنف نے تاریخی علمی، اور لسانی حیثیت سے ہندی کے مقابلہ مین اردو کی اہمیت، اور لسانی اور صوتی، اور کتابت و طباعت کی سہولتون کے لحاظ سے اردو رسم الخط کی خصوصیات اور اس کی آسانیان دکھائی ہین، اور اس پر جو اعتراضات کئے جاتے ہین، اس کے جوابات دئے ہین، اور دیوناگری رسم الخط کے نقائص اور اس کی دشواریان ظاہر کی ہین، لیکن راج ہٹ کے مقابلہ مین اس قسم کے سارے سنجیدہ دلائل اور بحثیں بے کار ہین، اردو کا سب سے بڑا عیب اور قصور یہ ہے کہ وہ مسلمانون کے دورِ حکومت کی پیداوار ہے، اور اس مین اسلامی اثرات بھی ہین، اور ہندی اور سنسکرت خالص ہندوؤن کی قدیم زبان اور اسلامی اثرات سے بالکل پاک ہین، اس کے بعد اور کسی دلیل کی ضرورت ہی نہین رہجاتی؛

"م"

جلد ۶۱ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۴۸ء عدد ۴

مضامین

مقالات

ادبیات